تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۲۸ محرم ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۶۴ ع

جامع حسنیہ عمان (شرق اردن)

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

سالانہ چندہ ۵ روپئے

۲۵ نئے پیسے

Regd No L - 1981

Phone No 22948

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

تمرین الصرف ۔ تمرین النحو

جب ہمارے مدارس میں کم عمر کے طلبہ داخل ہونے لگے ہیں، پڑھانے والوں کو اسکا احساس ہونے لگا ہے کہ صرف و نحو کی پرانی کتابیں ان کے سن و سال، ذہن و طبیعت کیساتھ مناسبت نہیں رکھتیں، دار العلوم نے اسی بات کے پیش نظر بچوں کیلئے صرف و نحو کا نیا نصاب تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے اور اسکی دو کتابیں تمرین الصرف و تمرین النحو شائع ہو چکی ہیں، دار العلوم کے فضلاء مولانا محمد مصطفےٰ ندوی، مولانا عبد الماجد ندوی، مولانا معین اللہ ندوی نے مرتب کیا ہے۔ قیمت بالترتیب ۱۲ ، ۱۲

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از: سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور انکی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی حیات آفریں تحریک کا قیام، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دورِ نظامت، سلوک و تربیت اور عمومی بیعت و اصلاح کے ذکر کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت، بہار میں فتنۂ قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، کتاب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمہ سے مزین ہے!

القراءة الراشدة ۳ حصے

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں سے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲ حصہ سوم ۱۲

العقيدة السنية

از مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ کتاب شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ العقیدۃ الحسنۃ کی شرح ہے، اس کتاب میں نازک اور پیچیدہ مسائل اس طرح آسان اور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ طلباء تھوڑی سی محنت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، مولانا نے اس سلسلہ میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور بعض دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، مدارس عربیہ کیلئے ایک بیش بہا کتاب، طلباء اور اہل علم کیلئے بہترین تحفہ۔

قیمت ۱۲

Cover Printed at Nadwa Press LUCKNOW.

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء

جلد ۲	۱۰ جون ۱۹۶۴ء مطابق ۲۸ محرم ۱۳۸۴ھ	شمارہ ۱۵

اس شمارے میں

مشہد غیرت و حمیت	ایڈیٹر	۱
مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۳
اے خدا فریاد ہے (نظم)	مولانا سید محمد ثانی حسنی	۵
کامیابی کا راز صرف طاقت میں نہیں	سعید الرحمن الاعظمی	۶
اسلامی جہاد اور اس کی حقیقت	حبیب الرحمن ندوی	۷
کوئے حرم (نظم)	نازحرم حمید صدیقی	۸
زخم بہاراں (نظم)	جگر مرادآبادی	۸
اے دوست (نظم)	دل ایوبی ٹونکی	۸
عربی لغت پر کام	سید محمد ثانی حسنی	۹
تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ	محمد یونس نگرامی ندوی	۱۱
تھکی ہوئی عقلیں، مردہ دل	(ترجمہ) سید ضیاء الحسن ندوی	۱۲
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست	تسخیر الحسن صدیقی ندوی	۱۳
دور حاضر میں اسلام کا نظام تعلیم کیا ہو	محمد حمید اللہ	۱۴
عالم اسلام		۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشہد غیرت و حمیت

محمد الحسنی

رورکیلا اور جمشید پور کا المیہ ہماری تاریخ کا ایک ایسا عظیم سانحہ ہے جس کی کسک بہت دن باقی رہے گی، اور جس کے سامنے درندوں، حیوانوں، بھیڑیوں اور سانپ بچھوؤں کو بھی شرم آئے گی، یہ ہندوستان کی پیشانی پر ایک ایسا بدنما داغ ہے جس سے انسانیت کا سر شرم سے نیچا ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ کفر و شرک کی ظلمتوں میں گرفتار خواہشات کے پرستار، دولت و قوت کے پجاری اور نہتے و بے گناہ انسانوں پر مسلح و منظم حملہ کرنے والے "بزدلوں" کو جب اور جہاں کہیں موقع ملتا ہے وہ بربریت و خوں ریزی اور ظلم و سفاکی کی اس سطح پر اتر آتے ہیں جہاں جنگلی درندوں کا بھی تصور نہیں جا سکتا، بیچارے درندے خواہ مخواہ بدنام ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ انسان جب اپنے کو ذلیل کرنے پر تل جاتا ہے اور ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے تو اس کی مثال نہ چوپایوں سے دی جا سکتی ہے نہ درندوں سے! بلکہ چوپائے اور درندے اس وقت اس کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر اور شریف معلوم ہوتے ہیں۔

اولٰئک کالانعام	ہیں وہ حیوانوں کی مانند
بل ھم اضل	بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ۔

لیکن یہ کوئی نیا اور نادر واقعہ نہیں۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں یہ قربانیاں دی ہیں اور تپتے ہوئے صحراؤں اور بے آب و گیاہ ریگزاروں کو اپنے خون دل اور خون جگر سے سینچا ہے اور دنیا کو بتایا ہے کہ انسانیت کی تعمیر اور اس کے چمن کی آبیاری اور سرسبزی و شادابی کے لئے انسانی قربانی کی کھاد اس طرح دی جاتی ہے ؎

آغشتہ ایم دامن صحرا بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

البتہ غم کھانے اور فکر کرنے کی جو چیز ہے وہ غیرت و حمیت کا وہ مدفن ہے جس پر سوگواروں کو یقیناً آنسو بہانا چاہئے، غیرت ایمانی اور اخوت اسلامی کا ذکر ہی کیا، انسانی شعور اور انسانی ہمدردی و شرافت کے وہ ادنیٰ مطالبات جو ہر انسان پر عائد ہوتے ہیں ان سے بھی مسلمان آج خالی نظر آ رہے ہیں۔

اس تباہی و قتل عام کے مقابلہ میں مسلمانوں نے جس سرد مہری اور سہل انکاری کا رویہ اختیار کیا ہے اس سے افسوس بھی ہوتا ہے، حیرت بھی ہوتی ہے اور مایوسی بھی۔ یہ مشہد غیرت و حمیت اپنے نتائج کے اعتبار

ہے اُس حقیقی مشہد سے کسی طرح کم نہیں جسکا ہولناک منظر دیکھا اور جمشید پور کی ادا اس فضاؤں نے دیکھا ہے۔

غیرت واحساس نہیں تو انسان کے پاس کچھ بھی نہیں اسی سے اسکی آبرو قائم ہے اور اسکے مرتبۂ انسانیت کا اقبار ہے۔ یہی غیرت اسکو ظلم پر احتجاج اور زور دستی کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے اس کے قدموں کو جاتی ہے، اسکو زندگی و قوت بخشتی ہے اور اس کی شخصیت اور وجود کو عزت واحترام کا خلعت پہناتی ہے۔

وہ زیادہ سے زیادہ اپنی بے بسی اور مجبوری کا اظہار کرکے رہ جاتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سارے راستے ان کے لئے بند ہیں اور وہ اکثریت کے رحم وکرم پر زندہ ہیں۔ اسلئے غیرت وحمیت خودداری وخود اعتمادی کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا، ہاں اکثریت کو زیادہ سے زیادہ خوش اور مطمئن کرنے کی فکر ضرور کرنی چاہئے ان کے نزدیک فسادات کے لئے اگر کوئی رکاوٹ ہو سکتی ہے تو یہی ہو سکتی ہے کہ اکثریت ان کو اپنے سایۂ عاطفت میں لئے رہے اور ان سے بدگمان نہ ہو، حالانکہ قرآن مجید کی یہ آیت بارہا انھوں نے سنی ہوگی ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم

جواہرلال نہرو کے انتقال پر ایک صاحب نے بہت پریشانی کے عالم میں راقم سطور سے کہا کہ اب مسلمانوں کا کیا ہوگا؟ یہ در اصل ایک راہ گیر کا وقتی جملہ اور فوری تاثر نہیں، بلکہ مسلمانوں کے دلوں کا چور ہے جو بات نظرۂ وعلم، اعتراف حقیقت، مصلحت وحقیقت پسندی اور شرافت واحساس شناسی کے نام پر کہی جاتی رہی ہے، اسی بات کو اس شخص نے ذرا بھونڈے طریقہ پر اور برملا کہہ دیا ہے اُن سب مسلمانوں کی ترجمانی کی ہے جو اس ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے اکثریت کو راضی کرنے اور خوش رکھنے میں اپنی بقا سمجھی ہے یا خدا کو راضی کرنے اور خوش رکھنے میں؟؟

اگر وہ خدا کو خوش رکھنا چاہتے ہیں اور خدا کے لئے جینا مرنا پسند کرتے ہیں تو کوئی دروازہ ان کے لئے بند نہیں وہ کامیابی کے جس دروازہ سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں اور قیادت وسیادت کی جو پوزیشن چاہیں حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس کے لئے سب سے پہلے اس بے حمیتی اور بے غیرتی بے شعوری، اور بے ضمیری کو خیرباد کہنا ہوگا جو اوپر سے نیچے تک پوری قوم میں زہر کی طرح سرایت کر گئی ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

آخر وہ زندگی کی کون سی قسم ہے جو مسلمانوں کو مطلوب ہے اگر وہ صرف روٹی کپڑے مکان اور دکان کی زندگی چاہتے ہیں تو یقیناً اس کے لئے غیرت واحساس کی کوئی ضرورت نہیں اس کے لئے ایمان وعقیدہ کی بھی کوئی شرط نہیں، اپنے ملی وجود اور اسلامی شخصیت کو فنا کرکے وہ اس مرتبۂ افتخار تک پہونچ سکتے ہیں اور اس مقام پر فائز ہو سکتے ہیں جس مقام پر اللہ تعالےٰ نے کتوں اور بلیوں اور گائے بیل کو رکھا ہے۔

لیکن جمشید پور کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں کہیں مسلمانوں نے یہ ذلیل رویہ اختیار کیا وہ ذلت کی موت مرے اور ان کی خوشامد وبے غیرتی کا قاتلوں اور بلوائیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا، اس کے برخلاف جہاں مسلمانوں نے غیرت وحمیت اور ایمان واستقامت کا مظاہرہ کیا وہاں ان کے قدم جم گئے اور ان کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔

کتوں اور بلیوں کی زندگی کے بعد چوہوں کی سی موت کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع کرنا حماقت اور خود فریبی وخودکشی کے مترادف ہے۔

مسلمانوں کے سامنے ہر شکل میں، ہر موڑ پر، اور ہر آزمائش کے وقت ہمیشہ ایک راستہ رہا ہے۔ قرآن کی آواز اب بھی صاف آرہی ہے اور صفحۂ عالم پر اس کی شہادتیں جابجا بکھری ہوئی ہیں لیکن گوش شنوا اور دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

وانیبوا الی ربکم واسلموا له
(اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے مطیع وفرمانبردار بن جاؤ)

سب سے پہلے خدا پر اعتماد، خدا کی طرف توجہ اور توبہ وانابت کی ضرورت ہے سب سے نظریں ہٹا کر اس پر جانے اور سب کے دروازے چھوڑ کر اسکے در پر آنے کی ضرورت ہے۔ اپنے تمام معاملات مشکلات اور پریشانیوں میں اسی کو مشکل کشا، کارساز اور حامی ومددگار سمجھنے اور اسکی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کا فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ قرآن مجید کا یہ بھی پیغام ہے۔
واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون به عدو اللہ وعدوکم

اس انابت کے ساتھ امکانی حد تک پوری بیداری اور تیاری بھی ضروری ہے، ایسی بیداری اور تیاری کہ دشمنان خدا کے دلوں میں اس کی ہیبت سما جائے اس میں وہ تمام صورتیں اور شکلیں شامل ہیں جن سے یہ

محسوس ہو کہ مسلمان ایک زندہ غیور، خوددار اور صاحب ضمیر قوم ہیں وہ ظلم کے سامنے سر جھکانا اور ناانصافی پر خاموش رہنا اور کثرت تعداد اور کثرت وسائل سے خوفزدہ اور مرعوب ہونا نہیں جانتے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا اور مظلوم کی مدد کرنا ان کا شعار اور امتیاز ہے وہ بڑی سے بڑی جابر شخصیت یا حکومت کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے وہ سوگواروں اور نوحہ خوانوں کی قوم نہیں انکا مستقبل کسی فرد یا جماعت کی موت وحیات سے وابستہ نہیں ان کو تو اللہ تعالےٰ نے سارے جہان کا امام اور ساری انسانیت کا رہنما بنایا ہے۔

وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون (ان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بشارت ہی بشارت ہے: لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ)

ظلم وزور دستی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا اور خاموشی وذلت کے ساتھ ہر قسم کی سفاکی وبربریت اور توہین کو برداشت کرنا کسی زندہ انسان کا شیوہ نہیں، نہ کہ مسلمان کا، بیداری تیاری اور مدافعت ہر شخص کا فطری اور بنیادی حق ہے۔

خدا سے امن وعافیت ہی کی دعا کرنا چاہئے لیکن اگر ایسا موقع آجائے تو اپنی حفاظت کیلئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور پوری قوت سے اسکا

سب سے آخری اور اہم بات یہ ہے کہ کسی دوسرے سے امید رکھنا کہ یہ آڑے وقت ہمارے کام آئے گا اور ہماری حمایت کرے گا اور ہمارے لئے سینہ سپر ہو جائے گا۔ کسی موقع پر اور کسی سطح پر درست نہیں بلکہ ایمان کی کمزوری اور ذہنی پسماندگی کی علامت ہے "ایمانی فراست" سے جس کا ذکر حدیث شریف میں آتا ہے کام لینے کا یہی موقع ہے، ان ہولناک تجربات اور انکی مخصوص نوعیت کے بعد تو اب اسکی گنجائش ذرا بھی باقی نہیں رہی، کسی کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ بالکل الگ بات ہے اور اس پر اعتماد وبھروسہ اور اس کی طرف دادخواہ نظروں سے دیکھنا بالکل علیحدہ چیز، شرافت ورواداری دوسری چیز ہے اور مرعوبیت ووابستگی بالکل علیحدہ بات۔

برادران وطن کے ساتھ حسن سلوک اور انکے انسانی ووطنی حقوق کا لحاظ مستحسن ہے لیکن ان تعلقات پر اعتماد کرنا اور یہ سمجھنا کہ ان سے میل جول اور دوستی اور ان سے گھل مل جانے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں ان سے قریب ہونے سے ہمارے لئے زیادہ بہتر مواقع اور زیادہ اچھی فضا پیدا ہو جائے گی اور اس سے ہماری مشکلات کم ہوں گی نہ صرف مذموم وممنوع ہے اور وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون میں داخل ہے۔

مولانا سیّد خواجہ احمد نصیر آبادیؒ

(۳)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سلاطین علماء ومشائخ ہی تین عناصر حکومت ہیں جن کے زیر اثر مسلمان رہتے ہیں، اودھ کی موجودہ حالت انھیں کے رجحانات، مشاغل اور ذوق کا عکس ہے۔ اس صورت حال کے خلاف (جو ایک صدی سے زائد مدت سے قائم تھی، اور جو ان تین طاقتور مؤثرات کا نتیجہ تھی) جن لوگوں نے قدم اٹھایا اُن کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ایک اچھا خاصا میدان جہاد ان کے سامنے تھا لیکن انھوں نے اپنے اخلاص سرگرمی، روحانیت اور تبلیغی جد وجہد سے اس میدان کو فتح کر لیا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے سب سے پہلے اس میدان میں قدم رکھا، آپ نے حج سے پہلے اودھ کے بیشتر قصبات اور مقامات کے تبلیغی دورے کئے جن میں آپ کے ہمراہ سو سو آدمیوں سے زیادہ ہوتے تھے، ہزاروں آدمی بیعت میں داخل ہوئے اور ہزاروں نے شرک وبدعت اور گناہوں سے توبہ کی، خلاف شرع امور ومراسم کو چھوڑا اور شرک وبدعات کے شعائر ونشانات اور شیعیت کے آثار مٹائے، ۷۰ آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ آپ نے ایک ہفتہ لکھنؤ میں قیام فرمایا، علماء دہلی کے مواعظ ہوئے اور دار السلطنت میں اصلاح خیال کی ایک رو دوڑ گئی، اور دینداری اور شرع کی ایک فضا پیدا ہو گئی، یہ کام اور آگے بڑھتا لیکن ۱۲۳۶ھ میں سفر حج اور ۱۲۴۱ھ میں سفر ہجرت وجہاد کی وجہ سے یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

لیکن ۱۲۵۹ھ میں جب مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی، حضرت سید صاحب کے خلیفہ مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری سے تعلیم وفراغت حاصل کرکے اپنے وطن نصیر آباد آئے تو آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس نواح میں اس کام کی تکمیل کی۔

آپ کے خلیفہ مولوی حکیم سید فخر الدین صاحبؒ "مہر جہاں تاب" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ "ایک عزیز نے خواب دیکھا اور مجھ سے بیان کیا کہ حضرت امام المجاہدین مرشد آفاق سید احمد قدس سرہٗ مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اور آپ بھی موجود ہیں،

راوی کہتے ہیں میں وضو کر رہا ہوں کہ وضو کر کے اذان کہوں ابھی میرا وضو ختم نہیں ہوا تھا کہ حضرت سید احمد صاحب نے آپ کو (خواجہ احمد صاحب) کو حکم دیا کہ اذان دو مجھے تعجب ہوا کہ آپ کو اذان دینے کا کیوں حکم دیا، مولانا نے فرمایا کہ مسجد دنیا میں بہترین جگہ ہوتی ہے، اور اذان اطلاع واعلان کا ایک ذریعہ ہے اس لئے اس کی تعبیر یہ ہے کہ گویا حضرت سید صاحب مجھے اپنے طریقہ ترویج دین واحیاء سنت کا حکم دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اسکو ان لوگوں تک پہونچا دوں جن تک ابھی یہ نہیں پہونچا ہے۔ چنانچہ قصبات ودیہاتوں کا دورہ اور گاؤں گاؤں تبلیغ اسی کا ظہور ہے۔

اس تبلیغ وہدایت کا ایک سب سے قوی اور مؤثر ذریعہ بیعت تھا، تحصیل علم اور قطع منازل سلوک کے بعد جوق جوق لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اُس وقت اُن اطراف میں آپ سے بڑھ کر عالی سلسلہ صاحب نسبت، اور جامع شریعت وطریقت کوئی ہستی نہ تھی اور آپ سے بڑھ کر کوئی عزیمت پر عمل کرنے والا اور صاحب استقامت شیخ نہ تھا، خاندان میں بھی دور آخر میں آپ کی ذات تھی، اس لئے جتنے لوگ اس خاندان سے عقیدت رکھتے تھے، یا حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ سے وابستہ تھے ان سب نے آپ کی طرف توجہ کی، دیہاتوں اور قصبات کے ہزاروں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ نے ان کو شرک وبدعت سے تائب کرکے سلسلہ میں داخل کیا اور اتباع شریعت اور پیروی سنت کا عہد لیا، پھر ان کی نگرانی اور ان کا احتساب فرماتے رہے، ان میں سے بہتوں کو اپنی خدمت میں رکھ کر ان کی تکمیل کی اور جادۂ شریعت پر ثابت قدم اور مستقیم بنا دیا، دیہاتوں اور قصبات اور شہروں کے سفر اور دوروں میں سیکڑوں آدمی بیعت ہوتے اور شرک وبدعت، خلاف شرع رسوم واعمال اور معاصی سے توبہ کرتے اور احکام شریعت کی پابندی اختیار کرتے یہ بیعت اصلاح عقائد واعمال کا بہترین ذریعہ تھی اور اس سے آپ کا یہی مقصد تھا چنانچہ اپنے ایک اجازت نامہ

میں جو آپ نے مولوی حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کیا اپنے قلم خاص سے تحریر فرماتے ہیں:۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الذین قاموا بنصرۃ الدین، اما بعد، میگوید المفتقر الی اللہ الصمد فقیر خواجہ احمد حسینی حنفی عفی عنہ واسلافہ کہ مقصود از بیعت بر دست مشائخ طریقت ہمیں است کہ راہ رضامندی حق بدست آید، وراہ رضامندی حق منحصر در اتباع شریعت غرا است، ہر کہ سوائے شریعت مصطفویہ راطریق تحصیل رضامندی حق انگارد، بیشک آں شخص کاذب وگمراہ است ودعوی او باطل ونامسموع و اساس شریعت مصطفویہ دو امر است، اول ترک اشراک دثانی ترک بدعات، بالجملہ در جمیع عبادات ومعاملات وامور معاشیہ ومعادیہ طریق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رابکمال قوت وعلو ہمت باید گرفت۔"

اس کی کچھ اور تفصیل وتشریح اس وصیت سے ہوتی ہے جو اس سلسلہ کے لوگ عوام سے بیعت لیتے وقت کرتے تھے چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں:۔

"موافق فرمانے خدا اور رسول کے تعمیل کریں امر کو بجالاویں جیسے نماز روزہ وغیرہ اور نہی سے باز رہیں جیسے شرک وبدعت وگناہ مانند سجدہ کرنے واسطے بزرگوں کے زندہ ہوں یا مردہ اور تعزیہ داری اور ناچ اور رنگ اور سودخواری اور رسوم ممنوعہ کہ شادی وغمی میں مروج ہیں اور سوا اس کے، پس جو اس کے خلاف کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور توبہ اس کی شکست ہو گئی تجدید توبہ اس پر لازم ہے"

"ہو الموفق والمعین"

یہ دونوں اقتباسات ان حضرات کے حقیقی خیالات کا آئینہ ہیں اور ان سے بیعت کا اصلی مقصود معلوم ہوتا ہے۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ بیعت اور عہد وپیمان کرتے تھے ان کی کس قدر اصلاح ہوتی ہوگی۔ اور اس سلسلے سے شرک وبدعات کا کس قدر استیصال اور شریعت وسنت کا کس قدر رواج ہوتا ہوگا۔

تبلیغ کا دوسرا ذریعہ آپ کے مواعظ ونصائح تھے، مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ جمعہ کی نماز سے عصر کے وقت تک سفر میں ہوں یا حضر میں برابر وعظ فرماتے اور بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن مجید کی تفسیر مسلسل بیان کرتے۔ جب قرآن شریف کا ایک دور ختم ہو جاتا تو دوسرا دور شروع کرتے، ایام مرض موت اور ضعف

غیر معمولی حوادث کے علاوہ کبھی اس معمول میں فرق نہیں آیا، ان مواعظ میں خاص مقام اور اطراف و جوانب کے سیکڑوں آدمی شریک ہوتے اور متاثر و مستفید ہوتے۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ آپ مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے وہاں مواعظ ہوتے، جب تک قیام رہتا، نصیحت امر بالمعروف نہی عن المنکر میں مشغول رہتے اور دینی مذکور رہتا، اسی عرصہ میں ہزاروں آدمی بیعت و توبہ کرتے اور ان کی زندگی میں تبدیلی ہو جاتی، بہت سے آپ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے، سنت و شریعت کا سراپا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے بہت سے مسائل اور دین کے احکام دیکھ دیکھ کر اور خدمت میں رہ کر سیکھ لیتے اور جہاں آپ اپنے رفقا اور خادموں کے ساتھ قیام فرما لیتے وہاں دین کا رواج ہو جاتا اور اس کا ایک رنگ پیدا ہو جاتا، آج تک لوگ اپنے وطن اور قصبات میں آپ کی آمد اور قیام کے قصے بڑے جذب و شوق سے بیان کرتے ہیں اور ان تبرکات کو یاد کرتے ہیں جو آپ کی تشریف آوری اور قیام سے وہاں حاصل ہوئے اور آج تک ان مقامات پر کچھ نہ کچھ دین کا اثر موجود ہے۔

آپ کی بیعت و ارشاد اور وعظ و تلقین سے جن ہزاروں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور ان کی زندگی میں کامل تغیر ہو گیا، ان کی صحیح تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے، لیکن جن مقامات پر آپ کا جانا زیادہ ہوتا تھا اور جہاں آپ کا یا آپ کے لوگوں کا اثر زیادہ تھا وہاں یہ اصلاحی و دینی اثرات کسی نہ کسی شکل میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں، ضلع رائے بریلی، پرتاب گڈھ، سلطانپور، جونپور، اعظم گڈھ غازی پور وہ مقامات ہیں جہاں آپ کا اثر ہوا جونپور اور اعظم گڈھ غالباً وہ مقامات ہیں جو بدعات سے تقریباً پاک ہیں اور بعض معمر بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ مولانا سید خواجہ احمد صاحب کا فیض ہے[1]۔

ان تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کی مفصل روداد آج ہمیں دستیاب نہیں ہو سکتی نہ اس وقت کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو ان سفروں میں ساتھ رہا ہو اور اپنے چشم دید حالات بیان کرے لیکن اس کی تلافی مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب کی قلمی تحریر سے ہو سکتی ہے، جو ایک چشم دید گواہ ہیں، مولانا کی خدمت میں عرصے تک رہے اور قریبی خاندانی تعلق کے علاوہ جناب کے خلیفۂ مجاز ہیں، آپ کی تبلیغی کامیابی اور دینی اصلاح و تغیر کا ذکر کرتے ہوئے "مہر جہاں تاب" میں لکھتے ہیں:۔

"اور جب اللہ کی نعمتوں کے حصول کے بعد خلق اللہ پر شفقت نے آپ کو اصلاح حال پر آمادہ کیا تو سب سے پہلے وطن کے پھر دوسرے شہر و دیار کے لوگوں نے جوق جوق کسب فیض کے ارادہ سے آپ کا قصد کیا اور آپ کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوئے۔ آپ کے حلقۂ تربیت میں رہ کر اشغال و اذکار و مراقبہ و مشاہدہ کی تعلیم حاصل کی اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہ کر تکمیل کی اور صاحب ارشاد ہو کر اپنے اپنے وطن واپس گئے اور حصول سعادت کے لئے آنجناب کو اپنے وطن میں تکلیف دی کچھ زیادہ مدت نہ گذرنے پائی تھی کہ اس قصبہ کے گردنواح شرک و بدعات کے اثرات سے اور ممنوعات شرعی اور امراض باطنی سے پاک ہو گئے، نماز روزہ کی پابندی عام ہو گئی۔ بیواؤں کے نکاح کا عام رواج ہو گیا۔ نفوس پاک صاف اور صفات و اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو گئے خصوصاً قبائل شرقیہ سے اقوام قریشی جو بالکل بہائم سیرت تھے اور کہلانے سلطان کے نومسلم تھے اور انھیں کی طرح دوسری برادریاں اور قومیں کہ صدیوں سے شرک و بدعات میں مبتلا تھیں بلکہ ہنود کی طرح ان کے نزدیک کفر و اسلام میں کوئی فرق نہ تھا وہ خدا کے فضل سے ایسے پابند شریعت بن گئے کہ اگر ان کی برادری میں کوئی فرق خلاف شرع امر کا مرتکب ہو تو اس کو برادری سے خارج کر دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ نشست و برخاست ترک کر دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہمیشہ دھوتی باندھتے تھے اب کرتا اور شرعی پائجامہ ان کا لباس ہے، دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ ان لوگوں نے آج اسلام قبول کیا ہے۔"

اس بنا پر اگر آنجناب کو تیرھویں صدی کے آخر کا مجدد کہا جائے تو بجا ہے کہ ملت محمدی کو زندہ اور سنت احمدی کو برپا کیا وہ قومیں جو تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمدؒ کے عہد میں فیض سے محروم رہیا اور جنھوں نے اسلام میں سے کوئی حصہ نہ پایا، حضرت مخدوم زماں کے زمانہ میں بہرہ ور ہوئے اور اس کام کی تکمیل ہوئی جس کا حضرت سید شہیدؒ نے آغاز کیا تھا ان انبیاء کرام کی طرح جنھوں نے سابق پیغمبروں کی شریعت کے احکام کا اجرا کیا، اور دور دور اس کی اشاعت کی۔ اس قطب زمانہ تیرھویں صدی کے مجدد کے کام کی تکمیل کی اور شریک منصب تجدید ہوئے جس طرح ایک عہد میں ایک سے زائد انبیاء ہوتے ہیں اسی طرح ایک صدی میں دو مجدد ہو سکتے ہیں اور "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اسی طرح قصبات اور دور کے شہروں کے مسلمان جو اسلام کا دعویٰ کرنے اور ارکان خمسہ ادا کرنے کے باوجود سنت نبوی سے بالکل بیگانہ اور بدعات اور مراسم شنیعہ میں منہمک تھے۔ جیسے مردوں پر نوحہ و ماتم سیوم، دہم، چہلم، اور مردوں کے دوسرے کام، اور تیل پانی، مہندی، کنگنا ناچ، گانا اور شادی کے دوسرے مراسم، اسی طرح بدعات کی دوسری قسمیں جیسے انعقاد مجلس میلاد یا ذکر ولادت مبارک کے وقت قیام، اور گیارھویں کی مجلس، بزرگوں کے عرس نیاز اور ان سے اپنی دنیاوی ضرورتوں میں استمداد و استعانت اور تعزیہ داری وغیرہ، اور ان میں سے بہت سے صوم و صلوٰۃ کے تارک، سود خوار تھے، مردوں کے لئے جو لباس ممنوع ہے پہنتے تھے، داڑھی منڈاتے تھے اور دوسرے خلاف شرع کام کرتے تھے اُن میں سے اکثر ایسے پاک و صاف ہو گئے جیسے کپڑا دھل کر اُجلا ہو جائے اور اس کا سارا میل کچیل اور داغ دھبے مٹ جائیں اور اس کے برخلاف وہ راست معاملہ صادق القول، اول وقت نماز کے پابند بن گئے، نوافل و اوراد کا التزام کرنے لگے، سود خواری چھوڑ دی اور تمام اخلاق ذمیمہ اور اعمال قبیحہ سے توبہ کی اور صفات حسنہ اور اعمال مسنونہ سے آراستہ پیراستہ ہو گئے۔ (ترجمہ از مہر جہاں تاب ص ۷۰۹)

آپ کے خلفاء و مریدین کے ذریعہ دین کی جو ترویج اور اعمال و اخلاق و رسوم کی جو اصلاح ہوئی وہ مزید برآں ہے اور اس کا کچھ اندازہ آپ کے خلفاء و مریدین کے تذکرے سے ہوگا۔

معمولات و عادات

جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا مقتدیٰ بنادے اس کی طرف خلائق کا رجوع ہو اس پر ہزاروں آدمیوں کی نگاہیں رہتی ہوں اور لوگ اس کے حرکات و سکنات کو غور سے دیکھتے ہوں اور ان کو اختیار کرتے ہوں اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ خلق محمدی کا اور سنت نبوی کا سراپا ہو سفر، حضر، گھر اور گھر کے باہر کوئی کام اس سے عزیمت اور سنت کے خلاف نہ ہوتا ہو، اور یہ خیال سے نہیں کہ لوگ دیکھتے ہیں یا لوگ کیا کہیں گے بلکہ برسوں کی پابندی، معمولی معمولی چیزوں کے اہتمام اور اللہ کی توفیق سے یہ سب چیزیں طبیعت ثانیہ بن گئی ہوں اور ان کے لئے کچھ زیادہ اہتمام کی ضرورت باقی نہ رہی ہو تھوڑے وقت کے لئے یا کسی خاص مقام پر تو ہر شخص کے لئے کسی قدر یہ ممکن ہے مگر شب و روز، جلوت و خلوت میں سفر و حضر میں

[1] روایت حضرت الاستاذ مولانا شبلی صاحب فقیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء

(بقیہ ص ۱۲ پر)

اے خدا فریاد ہے فریاد ہے

مولانا محمد ثانی حسنی مدیر رضوان

اک مسلماں نام کی آج "اُمت مرحوم" ہے　　زخم خوردہ، بے سہارا، بے کس و مظلوم ہے
غم رسیدہ، ہوش رفتہ، بیدم و ناشاد ہے　　مدتوں سے وہ اسیر پنجۂ صیاد ہے
کیا شکایت غیر کی اپنے دغا دینے لگے　　"جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"
باغباں صیاد بن کر لوٹتا ہے اپنا باغ　　گھر جلاتا ہے خود اپنا آہ گھر کا ہی چراغ
درد ہے لیکن کوئی درد آشنا باقی نہیں　　ہیں بہت جام و سبو لیکن کوئی ساقی نہیں
ہے حجازی قافلہ لیکن نہیں اس میں حسین　　اب کسی کو یاد تک آتے نہیں بدر و حُنین!
ہر قدم پر بولہب ہیں مصطفیٰ کوئی نہیں　　رہزنوں سے واسطہ ہے رہنما کوئی نہیں
کم نہیں ہیں آج بھی ملت میں مار آستیں　　جعفر و صادق کے جیسے ننگ ملت ننگ دیں
بس چلے تو بیچ ڈالیں یہ حرم تک کا غلاف　　کیا ہوئی پاکی نظر کی کیا ہوا دل کا عفاف
مر چکا آنکھوں کا پانی ہو گیا دل بے حیا　　چاک کرتے ہیں خود اپنے جسم کی زریں قبا
بے حمیت، بے ضمیر و بے وفا ملت فروش　　جی حضور و چاپلوس و ننگ ایماں عیش کوش
بربریت وہ کہ ہے انسانیت تک نوحہ خواں　　ظلم وہ جن پر زمین و آسماں ماتم کناں
ذرہ ذرہ خاک کا یاں آج خوں آشام ہے　　ہے مگر ارشاد ان کا "ہر طرح آرام" ہے
نام ہے جس کا حمیت اُن سے رخصت ہو گئی　　اور ذلیل و خوار اُن سے ساری ملت ہو گئی
رہ گئی سینے میں باقی اک فغانِ بے شرر　　ہو گیا دل سوز سے خالی زباں بھی بے اثر
جو محیط بے کراں تھا ہے ذرا سی آبجو　　گردش ایام نے لوٹی گُہر کی آبرو
خون کے آنسو رلاتا ہے ہمیں یہ انقلاب　　سنگ خارا میں بدل کر رہ گئے ہیں لعل ناب
خیر ہو قلب و نظر کی مہرباں بیداد ہے　　اے خدا تجھ سے مری فریاد ہے فریاد ہے

اب تو ہی اسلام کا ویران دل آباد کر
جو دلِ نازک کو توڑے تو اسے برباد کر

کامیابی کا راز صرف طاقت نہیں

سعید الرحمن الاعظمی

اگر ہم پوری انسانی تاریخ کا جائزہ لیں تو تاریخ کے کسی دور میں ہم کو کوئی ایسا مذہب نظر نہیں آئے گا جس نے جسم و روح کو باہم جمع کرنے، مادی اور معنوی طاقتوں کو ایک دوسرے ... اور دین و دنیا کو یکجا ... ایک شاہراہ پر ... کی ایسی نشاندہی اور تلقین کی ہو جیسی طرح اسلام نے کی۔ اس سلسلہ میں اسلام کا جو کردار رہا ہے وہ ایسا کھلا ہوا اور فطری ہے کہ ہر انصاف پسند انسان اس کی اس خصوصیت اور اس کی عظمت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مثال کے طور پر فریضۂ جہاد کو لے لیجئے، جو بظاہر خالص مادی طاقت کے سہارے ادا ہو سکتا ہے یا کم از کم اس کے لئے ظاہری ساز و سامان اور تیاری کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے مادی طاقتوں کے ساتھ معنوی طاقت کی تیاری پر زور دیا ہے، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہاں پر بھی ایمان و تقوی کی قوت کو اولیں ہتھیار اور مادی طاقت کے کامیاب ہونے کا پیش خیمہ قرار دیتا ہے۔ میدان جنگ میں بھی وہ تمام اسلامی اور انسانی آداب ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے جو عام زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ایک طرف دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار رہنے اور اس کے حملہ کو روکنے کے لئے تمام ظاہری تدابیر پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے اور الحرب خدعۃ (لڑائی خفیہ تدبیروں کا نام ہے) کا اعلان عام ہے اور واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (اور جہاں تک ہو سکے فوج کی جمعیت کے زور سے اور گھوڑوں کو تیار رکھنے سے ان کے مقابلے کے لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت بیٹھے گی) کا حکم دیا ہے تو دوسری طرف اس بات کی تلقین ہے کہ دامن تقوی کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ایمان کی قوت میں کوئی کمی نہ آئے۔ نمازوں کی ادائیگی میں کوئی فتور نہ واقع ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لحاظ اور اس کا خوف ہر وقت مستحضر رہے اور اسی کے ساتھ یہ فرمایا گیا کہ دشمن پر خود سے حملہ نہ کیا جائے لیکن حملہ کا جواب حملہ سے ضرور دیا جائے

تاکہ امت اسلامیہ کے وجود کو دشمن ختم نہ کر سکے اور اسلام کی عزت و عظمت میں کوئی کمی نہ واقع ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنان اسلام سے بارہا جہاد فرمایا اور فتح و کامرانی حاصل کرنے کے لئے معنوی طاقتوں کے ساتھ مادی طاقت کا انتظام بھی فرمایا۔ چنانچہ مسلمان بہادروں نے اس زمانے میں خود، ڈھال، نیزے، تلوار اور کئی طرح کے ہتھیاروں کو اپنایا، اس زمانے میں ٹینک جس شکل و صورت میں موجود تھا اس کو بھی لڑائیوں میں استعمال فرمایا، جنگ خندق میں جب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تو آپ نے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور اس کو پسند کیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں شریک تھے۔

اور آپ کے بعد تمام مسلمان اسلامی جہاد کے فریضہ کی ادائیگی میں آپ کے نقش قدم پر صدیوں تک چلے اور جب تک آپ کی اتباع کرتے رہے سرخرو فتحمند اور کامیاب ہوتے رہے۔ انھوں نے بڑے بڑے دشمنوں کو شکست دی اور ایسی ایسی فتوحات حاصل کیں جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ پوری دنیا کی تاریخ کا ایک اہم ترین باب ہے۔

لیکن مادی وسائل و اسباب، ظاہری تیاریوں اور تدابیر کی کامیابی کا سارا انحصار اس دوسری خفیہ طاقت پر ہے جو انسان کے باطن اور اس کے ضمیر میں پنہاں ہو، اور وہ ہے ایمان اور یقین کی طاقت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اسی نہج پر فرمائی تھی۔ آپ نے ان کے دلوں میں ایمان و یقین اور تقوی و عزیمت کا وہ بیج بویا تھا جس کی جڑیں بے حد مضبوط تھیں۔ اسی طاقت کی بدولت انھوں نے تاریخ اور دنیا کو عظمت و عزت کے وہ واقعات عطا کئے جو عقل و خرد کو حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے ہمیشہ بھاری لشکروں اور بڑی بڑی طاقتوں سے نبرد آزمائی کی اور ان کو ایسی شکست دی کہ وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو گئے، یہی وہ طاقت تھی جو جنگ بدر میں ایک بھاری دشمن کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ مسلمانوں مجاہدوں کے لئے سرخروئی اور کامرانی کا باعث بنی۔ اسی طاقت نے جنگ یرموک میں دو لاکھ سے زیادہ رومی سپاہیوں کو صرف چالیس ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا، اور ان کا سر ہمیشہ کے لئے نیچا ہو گیا۔ کیا تاریخ ان واقعات کو فراموش ... کر سکتی ہے اور اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش ہے؟؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت ملاحظہ ہو جو لشکر کی روانگی کے وقت آپ کیا کرتے تھے "اللہ کا ڈر ہر وقت قائم رہے۔ غداری اور خیانت سے پرہیز کیا جائے۔ کسی بچے، عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے۔"

اس وصیت کو بار بار پڑھئے۔ اعجاز و کمال کی اس بلندی پر بجز ایک رسول مبعوث کے کون پہونچ سکتا تھا؟ بالآخر یہی اصول اسلامی جہاد میں ہر جگہ کارفرما نظر آیا، صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔ خلفائے راشدین نے اس کی اتباع کی" اور وہ ہر جگہ، ہر موقع پر ہمیشہ کامیاب ہوئے۔ اللہ کا خوف ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا، وہ گھر میں ہوں یا مسجد میں، عام مجلسوں میں ہوں یا میدان جنگ میں تقوی کا دامن کبھی ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا تھا اور یہی ان کی کامیابی کا اصل راز تھا۔ یہی وہ بنیاد ہے جو غیبی مدد کا سبب ہے، اسی کے باعث اللہ کی نصرت میدان جنگ میں بھی ساتھ دیتی ہے، وما النصر الا من عند اللہ (اور مدد تو محض اللہ تعالیٰ کے پاس ہے) یعنی مادی وسائل و تیاری ہی محض سب کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ شکست دے سکتا ہے، بلکہ فتح و نصرت کا اصل راز اللہ تعالیٰ کی رضا پر عمل پیرا ہونا، اور اس کا خوف دل میں پیدا کرنا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک موقع پر اپنے جنگی کمانڈر حضرت سعد بن وقاص کو یہ وصیت نامہ لکھ کر بھیجتے ہیں۔

"میں تم کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تقوی دشمن پر قابو پانے اور جنگ کی سب سے کامیاب تدبیر ہے۔ میں تم کو اور تمہارے تمام ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ دشمن سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی فکر کرو۔ اس لئے کہ لشکر کا گناہ اس کے لئے دشمن کی مصیبت سے زیادہ خوفناک ہے مسلمانوں کی کامیابی کا اصل سبب یہ ہے کہ انکے دشمن معصیت میں

(بقیہ ص ۱۶ پر)

خطبات نبوی
مسلسل

اسلامی جہاد اور اسکی حقیقت

مجاہدین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

(۳)

حبیب الرحمن ندوی

سبحان اللہ کتنے موثر اور معنی خیز ہیں دعا کے یہ الفاظ۔ ایک ایک حرف کہنے والے کے خلوص اور اس کے دلی جذبات کی عکاسی کر رہا ہے۔ جنگ خیبر کا موقع ہے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین اسلام کو خطاب فرما رہے ہیں۔

یا ایها الناس۔ لا تتمنوا لقاء العدو واسئلوا الله العافية۔ فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السيوف ثم قال۔ اللهم منزل الكتاب ومجرى السحاب وهازم الاحزاب اهزمهم وانصرنا عليهم (بخاری کتاب الجہاد)

ترجمہ: لوگو! دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو۔ خدا سے عافیت طلب کرو مگر جب دشمن سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

آپ نے یہ دعا بھی فرمائی۔ خدا تو نے ہی کتاب اتاری بدلیوں کو چلایا اور بڑے بڑے جتھوں کو توڑ دیا آج بھی تو ظالموں کے جتھوں کو توڑ دے اور ہماری مدد کر۔

مسلم میں حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ ایک دن صحابہ کرام کے مجمع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

ان الجهاد فی سبيل الله والايمان بالله افضل الاعمال

ترجمہ (راہ خدا میں جہاد اور اللہ پر ایمان تمام اعمال سے بہتر و افضل ہے)

ایک لشکر کو رخصت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

اغزوا بسم الله فی سبيل الله قاتلوا من كفر بالله۔ اغزوا ولا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا۔ واذا انت لقيت عدوك من المشركين فادعهم الى احدى ثلاث خلال فايتهن اجابوك اليها فاقبل منهم وكف عنهم۔ ادعهم الى الاسلام فان اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ثم ادعهم الى التحول من دارهم الى دار المهاجرين واخبرهم ان فعلوا ذلك ان لهم ما للمهاجرين۔ وان عليهم ما على المهاجرين۔ وان ابوا فاخبرهم انهم يكونون كاعراب المسلمين يجرى عليهم حكم الله الذى يجرى على المؤمنين۔ ولا يكون لهم فى الفئ والغنيمة شئ الا ان يجاهدوا مع المسلمين فانهم ابوا ان يدخلوا فى الاسلام فسلهم اعطاء الجزية فان فعلوا فاقبل منهم وكف عنهم فان هم ابوا فاستعن بالله وقاتلهم وان حاصرت حصنا فارادوك ان تجعل لهم ذمة الله وذمة نبيك فلا تجعل لهم ذمة الله وذمة نبيك ولكن اجعل لهم ذمتك وذمة ابيك وذمة اصحابك فانكم ان تخفروا ذمتكم وذمة آبائكم اهون عليكم من ان تخفروا ذمة الله وذمة رسوله وان حاصرت حصنا فارادوك ان ينزلوا على حكم الله فلا تنزلهم على حكم الله ولكن انزلهم على حكمك فانك لا تدرى اتصيب فيهم حكم الله ام لا

(مسلم و ابن ماجہ)

(ترجمہ) جہاد خدا کا نام لے کر اس کی راہ میں کفر کرنے والوں سے لڑو لیکن بد عہدی۔ وعدہ شکنی خیانت اور چوری نہ کرنا اور نہ دشمن پر قابو پا کر ناک کان وغیرہ کاٹنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔ دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو تین چیزیں ان کے سامنے پیش کرنا اور انھیں مہلت دینا کہ وہ ان میں سے کسی کو پسند کر لیں۔ جس پر وہ راضی ہوں۔ تم بھی اس پر خوش ہو جانا۔ اول انھیں اسلام کی دعوت دینا اگر مان لیں تو بہت اچھا اب ان سے جنگ نہیں ہو سکتی۔ ان سے یہ کہنا کہ تم ہجرت کر کے مسلمانوں کے ملک میں چلے جاؤ تو جو مسلمان لشکروں کے حقوق ہیں وہی تمہارے بھی ہو جائیں گے اور جو ان پر پڑے گی وہ تم پر بھی اگر وہ یہ نہ مانیں تو کہنا کہ تم بھی اور دیہاتیوں کے مثل مسلمان رہو گے اور عام مسلمانوں کے احکام تم پر جاری رہیں گے جب تک جہاد میں حصہ نہ لو گے مال غنیمت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ سرے سے اسلام ہی قبول کرنے پر رضامند نہ ہوں تو دوسری چیز ان کے سامنے یہ پیش کرنا کہ تم جزیہ دینا قبول کرو اگر مان جائیں تو اب بھی لڑائی بند رکھو ہاں اگر اسے بھی وہ لوگ نامنظور کر دیں تو اب تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مقابلہ کریں۔ تم اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے جنگ شروع کر دو۔ دیکھو اگر تم کسی قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہو اور وہ لوگ تم سے اللہ اور رسول کی ذمہ داری پر قلعہ خالی کرنے کو کہیں تو تم اللہ اور رسول کو ذمہ دار ٹھہرا کر ایسا نہ کرنا بلکہ انھیں اپنی اپنے بڑوں کی اور اپنے ساتھیوں کی ذمہ داری میں دینا اس لئے کہ اس ذمہ داری کا ٹوٹنا بہ نسبت پہلی ذمہ داری کے زیادہ آسان ہے۔ اسی طرح اگر کفار جو گھرے ہوئے ہوں خدائی فیصلہ کے مطابق تمہارا محاصرہ اٹھوانا چاہیں تو تم اسے بھی قبول نہ کرنا بلکہ اپنے فیصلہ پر محاصرہ اٹھانے پر رضامندی ظاہر کرنا کیونکہ تمھیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں خدائی فیصلہ صحیح تلاش بھی سکو گے یا نہیں۔)

دنیا میں آج بھی معرکہ کارزار گرم ہوتا ہے۔ فوجیں محاذ جنگ پر روانہ کی جاتی ہیں لیکن کیا کوئی ایسی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی کمانڈر انچیف نے اپنی فوج کو چوری بد عہدی، وعدہ شکنی اور خیانت کی ممانعت کی ہو، یاد رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہدایات اس وقت دے رہے ہیں جبکہ دشمنان اسلام برسر پیکار تھے، مسلمانوں کے لئے عام انسانی حقوق بھی دینا ان کے لئے گوارا نہ تھا۔

میدان جنگ کا ایک اور خطبہ ملاحظہ ہو طبرانی میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک والے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

يا ايها الناس انی ما آمركم الا بما آمركم الله ولا انهاكم الا عما نهاكم الله عنه۔ فاجملوا فی الطلب فوالذی نفس ابی القاسم بيده ان احدكم ليطلبه رزقه كما يطلبه اجله فان تعذر عليكم شئ منه

(بقیہ ص ۱۲ پر)

کوئے حرم

زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی

ہے بہت بیقرارِ کوئے حرم
ایک امیدوارِ کوئے حرم

خلد بھی ہے نثارِ کوئے حرم
اللہ اللہ بہارِ کوئے حرم

کیا دل آویز و روح پرور ہے
نکہتِ لالہ زارِ کوئے حرم

کُحلِ 'مازاغ' چشمِ عرفاں ہو
نور افزا غبارِ کوئے حرم

سربسر منزلِ خلوصِ ادب
ایک اک رہگذارِ کوئے حرم

پوچھئے اہلِ عشق کے دل سے
شانِ عزّ و وقارِ کوئے حرم

ہم کو دیکھو کہ ہم نے دیکھا ہے
عالمِ نور بارِ کوئے حرم

منظرِ حسنِ خُلد کیا دیکھیں
دیکھ کر جلوہ زارِ کوئے حرم

اب مجھے دوجہاں سے کیا مطلب
دل ہے آئینہ دارِ کوئے حرم

رات دن یاد آتے رہتے ہیں
مجھکو لیل و نہارِ کوئے حرم

اوج پر تھا کبھی نصیب اپنا
ہم تھے اور رہگذارِ کوئے حرم

"فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست"
ہم تو ہیں خواستگارِ کوئے حرم

بکشا، غنچۂ دلم، بکشا
اے نسیمِ بہارِ کوئے حرم

دردمند و غریب و مسکینم
کرم اے تاجدارِ کوئے حرم

ہے تمنائے آخری یہ حمید
جان و دل ہوں نثارِ کوئے حرم

زخمِ بہاراں

جگر مرادآبادی

یہ دن بہار کے اب کے بھی راس آ نہ سکے
کہ غنچے کھل تو سکے، کھل کے مسکرا نہ سکے

وہ سبزہ ننگِ چمن ہے جو لہلہا نہ سکے
وہ گل ہے زخمِ بہاراں جو مسکرا نہ سکے

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل
جو زندہ رہ کے مقامِ حیات پا نہ سکے

یہ مہر و ماہ مرے ہمسفر رہے برسوں
پھر اس کے بعد مری گرد کو بھی پا نہ سکے

یہ آدمی ہے وہ پروانہ شمعِ دانش کا
جو روشنی میں رہے، روشنی کو پا نہ سکے

نہ جانے آہ کہ اُن آنسوؤں پہ کیا گذری
جو دل سے آنکھ تک آئے مژہ تک آ نہ سکے

گھٹے اگر تو بس اک مشتِ خاک ہے انساں
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے

اے دوست!

دل ایوبی ٹونکی

جب بھی نذرانہ کوئی وقت نے مانگا اے دوست
ہم نے انجام کبھی اپنا نہ سوچا اے دوست

چھا گیا تنگ فضاؤں پہ اندھیرا اے دوست
اتنا تاریک بھی ہوتا ہے اجالا اے دوست

کیوں کھٹکتا ہے نشیمن ہی مرا گلچیں کو
کیا خزاں کا نہیں گلشن میں بسیرا اے دوست

جل گیا اپنا نشیمن تو کوئی فکر نہ کر
ہو گیا کچھ تو گلستاں میں اجالا اے دوست

جو سمجھتے تھے زمانے کو تماشا وہ بھی
رہ گئے بن کے زمانے میں تماشا اے دوست

نہ یہ قسمت کہ ہے شامل مری بربادی میں
تیری نظروں کا بھی در پردہ اشارا اے دوست

ذرّے ذرّے میں ہے خورشیدِ درخشاں روشن
کوئی پیدا تو کرے دیدۂ بینا اے دوست

تشنہ لب ٹوٹ پڑے شیشوں پہ پیمانوں پر
خوب سمجھے تری نظروں کا تقاضا اے دوست

دل سے جاتی ہے کہیں عارضِ گلفام کی یاد
سر سے جاتا ہے کہیں زلف کا سودا اے دوست

ہندوستان میں عربی لغت پر کام

(۲)

مولانا محمد ثانی حسنی

تیسری کتاب جس کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے وہ ہے "تاج العروس شرح القاموس" یہ کتاب چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بعض حیثیتوں سے یہ کتاب اور تمام کتابوں سے زیادہ بہتر اور جامع ہے۔ یہ مصر میں طبع ہوئی ہے اس کا پورا نام تاج العروس من شرح جواہر القاموس یا تاج العروس من درر القاموس" ہے، یہ کتاب امام مجدالدین فیروزآبادی کی کتاب القاموس المحیط کی شرح ہے، مختلف کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اس کے حاشیہ پر قاموس کا متن درج ہے اور شرح میں ایک ایک تفصیلی مقدمہ ہے جس میں بہت سی چیزیں ہیں (۱) لغت کے متعلق بیان (۲) لغوی علماء کے مراتب کا حال ہے (۳) اس بارے میں ذکر ہے کہ سب سے پہلے کس نے لغت کے فن پر قلم اٹھایا۔

اس کتاب کے مصنف مشہور عالم اور لغوی سید مرتضیٰ حسینی بلگرامی زبیدی ہیں، جنھوں نے عرب ممالک کا دورہ کیا کئی حج کئے اور سید عبدالرحمٰن العیدروس کے سامنے مکہ مکرمہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا، سنہ ۱۱۶۷ھ میں مصر گئے اور وہاں ایسی مرجعیت حاصل کی جو عرصہ سے کسی عرب عالم یا محدث کو حاصل نہیں ہوئی، تاج العروس کی تکمیل کے بعد ایک بڑی عظیم الشان دعوت کی جس میں علماء و مشائخ اور طلباء شریک ہوئے، یہ واقعہ سنہ ۱۱۸۱ھ کا ہے، یہ کتاب موتیوں اور جواہرات کے مول بکی، بڑے بڑے علماء والیانِ ملک اور رؤسا و اعیان نے اس کی نقلیں لیں۔

متن کا نام القاموس المحیط و القاموس الوسیط الجامع لما ذہب من کلام العرب شماطیط ہے اور قاموس کے نام سے مشہور ہے، شروع میں چند صفحات قاموس کے اصطلاحات پر مشتمل ہے جن کو شیخ نصر الہورینی نے لکھا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ میں بعض ادیبوں کی تقیم کے بعد (M. LUMSDEN) انگریز پروفیسر کے اہتمام میں چھپی تھی جو چار جلدوں پر مشتمل تھی، اس کے صفحات [illegible] ہیں شروع میں انگریزی میں مقدمہ ہے اور عربی میں مصنف کے حالات درج ہیں، بعد میں مصر میں طبع ہوئی۔ جب مصنف نے کتاب ختم کی تو حسب ذیل عبارت پر ختم کی۔

تدخيس الله التامة على الصفا بمكة المشرفة تجاه الكعبة المعظمة۔

صاحب تصنیف امام مجدالدین ابوطاہر محمد بن یعقوب بن محمد ابراہیم فیروزآبادی شیرازی شافعی ہیں۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ پھر شیراز گئے اور علمائے شیراز سے تعلیم حاصل کی، پھر عراق پہنچے قاضی بغداد سے استفادہ کیا اور فنِ لغت میں بڑی مہارت حاصل کی۔ پھر شام پہونچکر ابن قیمؒ، ابن خباز، شیخ سبکی اور ابن نباتہ جیسے بزرگ علماء کی خدمت میں بیٹھے، پھر قاہرہ گئے، اپنے متعلق خود فرماتے ہیں۔

"ما کنت انام حتی احفظ مائتی سطر" اس سے اُن کی قوت حفظ اور علم کا اندازہ آپ کر سکتے ہیں، جب ان کا انتقال ہوا تو زبید کے قاضی تھے۔ سنہ ۸۱۷ھ میں انتقال ہوا۔

چار جلدوں پر مشتمل ایک کتاب اور ہے جس کا نام دستور العلماء، جامع العلوم فی اصطلاحات العلوم والفنون ہے۔ یہ کتاب اپنے دامن میں بڑی توضیح و تفصیل کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کی تین جلدیں اصل ہیں اور چوتھی جلد اس کے ضمیمہ کے طور پر ہے جس کو ضمیمہ دستور العلماء کہا جاتا ہے، اس کے مصنف قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری ہیں، یہ بزرگ احمد نگر دکن میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے بعد احمد نگر ہی کے قاضی ہو گئے ان سے بہت علماء نے استفادہ کیا اور یہ کئی تصانیف کے مصنف ہیں۔

اسی طرز پر بس تھوڑے سے فرق کے ساتھ شیخ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام معارف العلوم ہے۔ یہ کتاب عربی علوم و فنون اور اس کے اصول پر لکھی گئی ہے، شیخ ابراہیم ملتان کے تھے جو پنجاب و سندھ کے درمیان واقع ہے انھوں نے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا اور آخر میں حیدرآباد کے شہر بیدر کے قاضی ہوگئے، سنہ [illegible] میں انتقال کیا۔

ان کتابوں سے پہلے ایک اور کتاب لکھی گئی ہے جو اگرچہ زمانہ کے اعتبار سے سب سے مقدم ہے لیکن چونکہ لغت پر حاوی نہیں ہے۔ صرف ایک چیز کے متعلق اس میں تفصیلی ذکر ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے نہیں کیا گیا تھا، اس کا نام الجماہیر فی معرفۃ الجواہر، اس کتاب میں جواہرات اور اس کے قسموں کے متعلق تفصیل ہے اس کے مصنف مشہور عالم ابوالریحان بیرونی ہیں جنھوں نے یہ کتاب سلطان مودود بن مسعود غزنوی کے لئے لکھی ہے، شیخ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی خوارزمی سنہ ۳۶۲ھ میں بیرون (سندھ) کے ایک شہر میں پیدا ہوئے، بادشاہوں کے مقرب تھے۔ علم کے بڑے شائق تھے، علم نجوم، ہیئت، منطق اور حکمت میں مہارت تامہ حاصل تھی اور ان فنون میں ان گنت تصانیف کی تھیں، ان کی ایک کتاب ہندوستان کے حالات پر ہے اس کا نام عجائب الہند ہے، اس کتاب میں ہندوستان کے حالات مذاہب کی تفصیل جغرافیہ اور ہندسہ کا بیان ہے، اسی طرح ان کے عربی قصائد مشہور ہیں، ایک قصیدہ کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں جو بادشاہوں کی صحبت کے متعلق ہیں:-

ولما مضوا واعتقت عنهم عصابة
دعوا بالتناسى فاعتقت التناسيا
وخلفت فى عزمين لها كمضغة
على وضم للطير للعلم واهيا

صفی پور ضلع اناؤ میں ایک بڑے عالم اور لغوی فاضل گزرے ہیں جن کا نام نامی شیخ عبدالرحیم بن عبدالکریم ہے۔ انھوں نے لغت پر منتہی الادب فی لغات العرب کے نام سے ایک ضخیم اور مفید ترین کتاب لکھی ہے جو اپنی افادیت اور ضخامت کے لحاظ سے بہت سی لغت کی کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے اس کتاب کا ماخذ قاموس، صحاح، نہایۃ، مجمع البحار، دیوان الادب، مہذب، مزہر اور کئی دوسری کتابوں میں شیخ عبدالرحیم کا کلکتہ میں سنہ ۱۲۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

ضلع رائے بریلی میں ایک موضع ہے جس کا نام دائرہ شاہ علم اللہ ہے جو خاندانِ حسنیہ کا ایک خاص وطن ہے، اس خاندان میں کثیر التعداد علماء اور فضلاء گذرے ہیں، ان علماء میں ایک بزرگ سید محمد اعظم نام کے پیدا ہوئے جو حضرت شاہ علم اللہ اپنے وقت کے امام تھے

کے پوتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو صلاح و تقویٰ علم و عمل کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے بھی لغت پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تخلیص الصراح ہے لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک وہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی، سید صاحب کا انتقال سنہ ۱۱۵۱ھ میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۴۴ سال تھی۔

القول المانوس فی صفات القاموس کے نام سے ایک کتاب ہے جسکو مفتی سعد اللہ بن نظام الدین مرادآبادی نے لکھا ہے۔ مفتی سعد اللہ کو علم نحو اور لغت میں کافی دسترس حاصل تھی انھوں نے اس سلسلہ کی ایک ضخیم کتاب تاج اللغات کی بھی چند جلدیں لکھی تھیں۔ تاج اللغات کی مکمل سات جلدیں ہیں جو اودھ کے بادشاہ نصیر الدین حیدر کے لئے لکھی گئی تھیں۔ مفتی سعد اللہ حج کو گئے تھے اور شیخ الحرم سے حدیث کی سند حاصل کی اور واپسی کے بعد واجد علی شاہ، بادشاہ اودھ کی معزولی کے بعد رامپور چلے گئے اور وہیں سنہ ۱۲۹۴ھ میں انتقال کیا، مفتی صاحب نے فن لغت پر ایک اور کتاب بھی لکھی تھی اس کا نام نور الاصباح فی اغلاط الصراح ہے اس میں لغت کی کتاب صراح کی غلطیاں شمار کی ہیں۔

تاج اللغات کے دوسرے مصنف شیخ اسماعیل بن مفتی وجیہ الدین مرادآبادی ہیں جو "لندنی" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے حکم پر انگلستان گئے تھے اس لئے ان کو 'لندنی' کہا جاتا ہے۔ عقیدہ کے لحاظ سے آزاد تھے، انھوں نے تاج اللغات کی بعض جلدیں لکھیں۔

تاج اللغات کی ترتیب میں شیخ اوحد الدین بلگرامی اور سید غنی نقی زیدپوری بھی شریک رہے ہیں تاج اللغات کی ابتدا اس عبارت سے کی گئی ہے:

سبحان الذی علم آدم الاسماء بحذافیرھا والھمہ صفات الاشیاء بنقیرھا وقطمیرھا۔

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ایک علمی موضع ہے یہاں پر بعض بڑے اور مشہور علماء گذرے ہیں ان ہی میں سے ایک عالم محمد اعلیٰ بن علی بن حامد بن صابر حنفی گذرے ہیں انھوں نے اپنے ذاتی شوق سے علم حاصل کیا کتابیں مطالعہ کیں اور مسلسل مطالعہ سے علم و فضل میں کمال حاصل کیا اور پھر ایک ایسی کتاب لکھی جس میں تمام علوم کی اصلاحات کو جمع کردیا، اس ضخیم کتاب کا نام کشاف اصطلاحات الفنون رکھا۔ یہ کتاب دو بابوں پر ترتیب دی گئی ہے، پہلا باب عربی الفاظ پر مشتمل ہے، دوسرا باب عجمی الفاظ پر حاوی ہے۔ شیخ محمد اعلیٰ اس کتاب کی تصنیف سے سنہ ۱۱۵۸ھ میں فارغ ہوئے اور اس کو ایشیاٹک سوسائٹی نے طبع کرایا۔

نواب صدیق حسن خاں ہندوستان کے ایک مشہور اور کثیر التصانیف عالم گذرے ہیں، ہر فن اور زبان میں ان کی کتابیں موجود ہیں حتیٰ کہ فن لغت بھی ان کے کاوش قلم سے محروم نہ رہا، انھوں نے فن لغت پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں پہلی کتاب "لف القماط علیٰ تصحیح ما استعملہ العامۃ من المعرب والدخیل والمولد والاغلاط" ہے اس کتاب میں عوام کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے جو عربی بول چال کے سلسلہ میں کرتے ہیں، یہ کتاب بھوپال میں سنہ ۱۲۹۱ھ میں چھپی ہے اس کے صفحات ۲۲۸ ہیں۔

(۲) دوسری کتاب "البلغۃ فی اصول اللغۃ" ہے اس کتاب میں لغت کی پوری تاریخ اس کی تعریف اور اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی تبصرہ ہے، یہ بھی بھوپال میں سنہ ۱۲۹۴ھ میں چھپی اور اس کے ۱۵۴ صفحات ہیں۔

نواب صاحب کا نام ابو الطیب صدیق حسن بن اولاد حسن بن اولاد علی حسینی ہے۔ یہ سنہ ۱۲۴۸ھ میں بانس بریلی (اتر پردیش کے ایک شہر) میں پیدا ہوئے پھر قنوج آئے اور بعد میں بھوپال گئے وہاں قاضی زین العابدین بن محمد انصاری یمانی سے علم حدیث حاصل کیا اور پھر حجاز گئے۔ واپسی کے بعد شاہ جہاں بیگم والئی بھوپال سے نکاح کیا، خدا نے اُن کو دین کی دولت کے ساتھ ساتھ دنیا کی دولت سے بھی نوازا، ان کی لکھی ہوئی کتابوں کی تعداد (۲۲۲) سے بڑھ جاتی ہے۔ جس میں عربی، فارسی اردو کی سب کتابیں شامل ہیں۔ نواب صاحب کا انتقال سنہ ۱۳۰۷ھ میں بھوپال میں ہوا۔

مذکورہ بالا تمام کتابوں کے علاوہ لغت عربی پر اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو ہندوستانی علماء نے لکھی ہیں اگر ان سب کو تفصیل سے پیش کیا جائے تو یہ مضمون کافی طول پکڑ جائے اس لئے مختصراً ان باقی کتب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حوار العرب: یہ کتاب مولوی عبد الغنی فرخ آبادی کی لکھی ہوئی ہے۔

انوار اللغۃ: یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے لکھنے والے مولوی وحید الزماں ابن مسیح الزماں لکھنوی ہیں۔

الفرقیہ: سید غنی نقی زیدپوری جنھوں نے لغت کی مشہور کتاب تاج اللغات کی ترتیب میں بھی شرکت کی تھی۔ الفرقیہ نامی کتاب کو بھی لکھا ہے تاج اللغات کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

المتبکر فیما یتعلق بالمونث والمذکر: اس میں مونث اور مذکر لغات پر بحث کی گئی ہے اس کتاب کے مصنف سید ذو الفقار احمد صاحب نقوی سارنگ پوری ہیں۔

موارد المصادر والافعال۔ یہ کتاب مولوی عبد الغنی بن محمد میر فرخ آبادی کی لکھی ہوئی ہے۔

نیل الأرب فی مصادر العرب: لاہور کے ایک عالم شیخ ظفر الدین بن امام الدین کی لکھی ہوئی ہے۔

فیض القاموس: شیخ فیض الحسن کی تصنیف کردہ ہے۔

نہج المصادر: مولوی فیض بخش اس کے مصنف ہیں

کواکب العرفان فی تحقیق السبحان: مولانا محمد علی کی تصنیف ہے۔

منتخب اللغات: اس کتاب میں تذکرہ تو عربی لغت کا ہے لیکن تفصیل فارسی زبان میں ہے، اُس کے مآخذ قاموس، صحاح، صراح، کنز اور منتخب ہیں اس کے مصنف شیخ عبد الرشید طٹاوی حسنی مدنی ہیں۔ اس کتاب کا مقدمہ پروفیسر لیڈن نے انگریزی زبان میں لکھا ہے اور اس کی طباعت کلکتہ میں ہوئی۔

یہ تو تھیں پرانی کتابیں، زمانۂ حال میں بھی عربی لغت پر کام ہوا ہے اور اس کا سلسلہ جاری ہے بعض اہم کتابیں ماہرین لغت عربی کے زیر ترتیب ہیں جو اگر چھپ گئیں تو وہ لغت عربی سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوں گی اور ان کے لئے نئی راہیں کھلیں گی۔ (باقی)

بقیہ، تھکی ہوئی عقلیں ...

اس وسیع تر دنیا میں جا پہونچے۔ اس وقت تک ظاہر ہے کہ بچہ اس کشادہ عالم کے وجود سے انکار کرتا رہے گا۔ اور اس دنیا میں آنا بدفالی سمجھے گا اور روتے ہوئے اس کا استقبال کرے گا۔ بالکل یہی مثال ان منکرین کی ہے۔ جب تک کوئی شخص قبر سے نکل کر اس دنیا میں نہ آئے اور انھیں حشر و نشر کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرا سکے اتو وہ اسی بچہ (جنین) کی طرح اس سے انکار کرتے رہیں گے۔ (باقی آئندہ)

برائے مہربانی خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیجئے

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

محمد یونس نگرامی ندوی

(۱)

حافظ ابن تیمیہؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

انسانی دعاؤں کی حیثیت ہتھیار کی ہے۔ اور جب ہتھیار مضبوط و تیز ہوں تو مصیبتوں سے بچا رہتا ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ دعا بذات خود بھلی ہو اور دعا مانگنے والے کی زبان اور دل ایک ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوں اگر ان شرطوں میں سے کسی کی بھی کمی ہوئی تو دعا کے قبول ہونے میں مجھ کو شک ہے۔

"الجواب الکافی لابن القیم" ص ۱۰

(۲)

یوسف بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعیؒ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ مختلف علوم میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عباسی خلیفہ واثق باللہ کے زمانہ میں مصر سے بغداد تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد میں خلق قرآن کا بڑا چرچا تھا۔ چنانچہ ان سے بھی جب خلق قرآن کا فتویٰ مانگا گیا تو آپ نے انکار فرمایا اس وجہ سے قید و بند کی آزمائش میں ڈال دیا گیا زندان خانہ میں آپ کو اس وقت تک رکھا گیا جب تک کہ روح نے مادیت کا لباس نہ اتار پھینکا۔

ابو یعقوب بویطی کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن آپ قید خانہ میں غسل فرماتے۔ کپڑے پہنتے اور جب موذن کی آواز سنائی دیتی تو مسجد کی طرف روانہ ہوتے لیکن پھاٹک پر پہرہ دار روک دیتا اور سوال کرتا کہاں جارہے ہو تو ارشاد فرماتے۔ اللہ کی طرف بلانے والے کے پاس۔ لیکن پہرہ دار ان کو واپس کردیتا تو غمگین آواز میں فرماتے۔ اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں نے تیرے موذن کی آواز پر لبیک کہا لیکن ان لوگوں نے مجھ کو روک دیا۔

ابو جارود کا کہنا ہے کہ یوسف بن یحییٰ میرے پڑوسی تھے۔ جب رات کے کسی حصہ میں میری آنکھ کھل جاتی تو ان کے قرآن پڑھنے کی آواز سنائی دیتی رہتی۔

ربیع کہتے ہیں کہ یوسف بن یحییٰ کی زبان ہر وقت یاد الٰہی میں معروف رہتی تھی۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان)

(ج ۲ مطبوعہ مصر ص ۷۰)

(۳)

محمد بن حسین انصاری اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے مصر کی جامع عمرو بن العاص کے خطیب و امام بھی تھے۔ ہر روز طلباء کے ایک بڑے گروہ کو حدیث فقہ، تفسیر کی تعلیم دیتے لیکن معاوضہ میں کسی سے کچھ بھی نہ قبول کرتے تھے۔

ضیاء الدین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میرے والد نے محمد بن حسین کے پاس ایک خط میرے ذریعہ روانہ کیا جب میں خط لے کر پہنچا تو وہ مسجد کے محراب میں تھے لیکن مجھ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوئے (حالانکہ ان کی یہ عادت نہیں تھی) خط تو میں نے ان کے سپرد کیا اور واپس چلا آیا۔ ایک مرتبہ دوسری جگہ انھوں نے مجھ کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہوگئے۔ چونکہ میرے دل میں جامع مسجد کی بات کھٹک رہی تھی تو اس لئے اس دن کھڑے نہ ہونے کا سبب دریافت کیا۔ اس پر انھوں نے ارشاد فرمایا۔ اس دن تم ایسے وقت آئے تھے کہ میں محراب میں تھا اور وہ جگہ ایسی ہے جہاں خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے کھڑا نہیں ہوا جاتا ہے

انھیں کا ایک دوسرا واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حاکم وقت کی طرف سے ان کے پاس ایک شخص کوئی پروانہ لے کر آیا اور ان کے ہاتھ میں ایک شمع تھی جس کی روشنی میں وہ آخرت کے حالات کا مطالعہ فرمارہے تھے۔ پروانہ لانے والے نے بھی چاہا۔ اسی شمع کی روشنی میں حاکم وقت کا حکم پڑھ کر سنادے لیکن آپ نے شمع کو فوراً گل کردیا اور فرمایا اس روشنی میں صرف آخرت کے حالات ہی کا مطالعہ ہوسکتا ہے۔

(طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۵ ص ۲۱)

سیرت

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ

(بانیٔ ندوۃ العلماء)

از: سید محمد الحسنی

مدیر: "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین، اسکے کردار اور تاریخ، اس کی خدمات و خصوصیات اور اس کے بانی و اولین رہنما کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اپنے مفصل مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"کتاب جامع بھی ہے موثر بھی، دل آویز بھی، وہ نہ صرف ایک عظیم و برگزیدہ شخصیت کی سوانح ہے بلکہ ایک عظیم تحریک کی تاریخ بھی، ایک معاشرہ کی تصویر بھی ہے اور ایک پورے دور کی عکاسی بھی ماضی کی سرگذشت بھی ہے اور مستقبل کا وہ خواب بھی جو خدا کے ایک برگزیدہ و عالی ہمت بندے نے دیکھا تھا

سوا چار سو صفحات معیاری کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش

قیمت چھ روپے

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

فاضل صالح سامرائی (عراق)

تھکی ہوئی عقلیں، مردہ دل

ترجمہ سید ضیاء الحسن ندوی

آخرت پر ایمان دراصل عقیدہ "ایمان باللہ" کا حصہ اور اسی کی تشریح ہے۔ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کا ثابت کر دینا اس عقیدہ کے اقرار کے لئے کافی سمجھتے ہیں، اس لئے کہ جب خدا کا وجود ثابت ہو جائے گا تو یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی کہ ایک ایسے دن کا آنا ضروری ہے جس میں ظالم سے مظلوم کا حق دلوایا جائے اور ہر شخص کے اعمال کا حساب ہو، کیونکہ یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ظالم کو کبھی اس کے ظلم کی سزا نہ ملے۔ اور مظلوم ہمیشہ اپنے حقوق سے محروم ہی رہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو تمام بُرے لوگوں کو سزا دے اور اچھے لوگوں کو انعامات سے نوازے یہ کیسے ممکن ہے کہ شریف لوگوں کے ساتھ زیادتی ہوتی رہے اوباش وجرائم پیشہ لوگ شرفا کی زندگی کو دشوار بناتے رہیں اور بے قصور لوگ طرح طرح کی تباہیوں سے دوچار ہوتے رہیں اور اس کے بعد کوئی وقت ایسا نہ آئے جب کمزوروں کو ان کا حق دلایا جائے اور شر پسندوں کو سزا دی جائے۔

ایسے حساب کتاب کے دن کا کبھی نہ آنا اگرچہ عقل وانصاف کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے۔ پھر بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو خدائے تعالیٰ کے وجود کو چاہے تسلیم کرلیں لیکن وہ حشر ونشر کو تسلیم کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہوتے انھیں یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ لوگ قبر میں مدتوں پڑے رہنے اور سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ لوگوں کا یہ خیال کوئی نیا نہیں ہے۔ پرانے لوگ اور کفار قریش بھی اسی انداز سے سوچتے تھے قرآن مجید میں ان ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے کہ:۔

"انھوں نے کہا کہ یہ صرف ہماری دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی مارتا ہے۔"

اس معاملہ میں ان کی حیرت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے کہتے ہیں:۔

"کیا ہم تمھیں ایک ایسا آدمی دکھائیں جس کا کہنا ہے کہ جب تم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ گے تو دوبارہ جلائے جاؤ گے۔"

یہ اسی حیرت واستعجاب کا نتیجہ تھا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لیکر آتا ہے اور اسے چورچور کرکے ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ پھر آپؐ سے سوال کرتا ہے کیا تمھارا خیال ہے کہ تمھارا باپ ان سڑی گلی ہڈیوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے؟ اس سنگ جاہل کے اس احمقانہ سوال کا مذاق اڑاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور ہمارے سامنے مثالیں گڑھتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہا کہ چورچور ہو جانے کے بعد ان ہڈیوں کو کون جلا سکتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ وہ ذات ان کو دوبارہ زندہ کرے گی جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر بار پیدا کرنا جانتا ہے۔"

انکار اس حد تک بڑھا کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس سلسلے میں وہ ایک دلیل بھی پیش کرتے تھے۔ حالانکہ جو بات وہ لوگ کہتے تھے اسے دلیل کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کی نام ونہاد دلیل کا ذکر کس طرح کیا ہے۔

"ان کی صرف یہ دلیل تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے آباؤ اجداد کو (جو مر مٹ چکے ہیں) لے آؤ۔"

یہ اور ایسی ہی بہت سی باتیں جن کے لئے لفظ دلیل کا استعمال بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا اللہ تعالیٰ نے تو یہ نام اس کو محض اس لئے دے دیا کہ ان باتوں کو تصنیف کرنے والے اسے دلیل ہی کہا کرتے تھے وہ لوگ تو یہ چاہتے تھے کہ مردے اپنی قبروں سے نکل کر انھیں آخرت اور حشر ونشر کی حقیقت سمجھائیں۔

افسوس صد افسوس۔

یہ تھکی ہوئی عقلیں اور یہ اندھے دل قابل رحم ہیں یہیں پر بس نہیں ہماری موجودہ سوسائٹی بھی جو نہایت ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہے اس قسم کی خرافات اور ایسی بے تکی دلیلوں کا سہارا لینے لگی ہے، اس کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ:

"ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کرو...... کیا کوئی ذی ہوش اس کی تصدیق کر سکتا ہے"

مجھے تو یہ خوش فہمی تھی کہ انسان کی سمجھ خواہ کتنی ہی ناقص ہو جائے اور اس کی جہالت کی تاریکی خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن وہ فضول گوئی کی اتنی پست سطح پر کبھی نہیں اتر سکتا، "کہ جب تک ہم اپنے اسلاف کو دوبارہ زندہ ہوتا دیکھ نہ لیں اس وقت تک یوم حشر قائم نہیں ہو سکتا۔"

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ دوسری زندگی کی حیثیت از سر نو پیدائش کی سی ہے اور یہ گویا اسی زندگی کا دوسرا رخ یا پرتو ہے، تو جس طرح بچہ ماں کے پیٹ میں اپنے گرد وپیش ہی کو کل کائنات سمجھ بیٹھتا ہے اور وہ ہرگز یہ نہیں مان سکتا ہے کہ اس کے ماحول سے کہیں زیادہ طویل وعریض بھی ایک کائنات موجود ہے جہاں کی ہر چیز اس کے اپنے ماحول سے یکسر مختلف ہے۔ ہر چیز ایک نیا انداز رکھتی ہے اور وہاں کا طرز زندگی ہی بالکل نرالا ہے۔

اسی طرح یہ جاہل لوگ بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس دنیا سے وسیع تر ایک دوسری دنیا بھی ہے جس کی ہر چیز یہاں سے مختلف اور نرالی ہے۔ چنانچہ ان کا استدلال بھی ان ہی بچوں کے استدلال کے مانند ہے جو ابھی ہماری اس دنیا میں قدم نہیں رکھ سکے ہیں، تو جب تک پیٹ کے بچہ کو کوئی جا کر یہ نہ بتا دے کہ وہ دنیا جس میں وہ قدم رکھنے والا ہے اس دنیا سے ہزار گنا زیادہ بہتر ہے جس میں وہ رہ رہا ہے اور اس کا بھلا اسی میں ہے کہ وہ اس (بقیہ ص ۱۰ پر)

ماہنامہ

خاتون پاکستان کراچی

ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق جولائی ۱۹۶۴ء

پیش کرے گا

دستاویزی اہمیت کی حامل مقدس تحریروں سے مزین

عظیم اور شاندار

رسول نمبر

کرۂ ارض پر نیکی سعادت محبت کے پیامبر

اس نمبر میں عالم اسلامی کے مشاہیر علماء ادباء اور شعراء کی شرکت کے علاوہ مشرق سے مغرب تک رسول اکرمؐ کا پیغام اس دنیا کے جن جن گوشوں تک پہنچ چکا ہے وہاں کے عقیدت کیش کا بھی اس میں حصے رہے ہیں۔

یہ شاندار شمارہ ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہوگا

ہدیہ دس روپے

منیجر، خاتون پاکستان ۔ ۔ گارڈن، کراچی

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

تسنیم الحسن صدیقی ندوی

(۱)

عرب کے ایک چھوٹے سے قریہ میں ایک شخص موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے، پوری بستی خالی ہے ایک بھی متنفس نظر نہیں آرہا ہے۔ شاید سب لوگ حج کو جا چکے ہیں کیونکہ یہ حج ہی کا زمانہ ہے۔ صرف ایک عورت اس کے قریب بیٹھی ہوئی سسکیاں لے رہی ہے، تیسرے کسی شخص کا وجود بھی نہیں ہے۔ سسکیوں کی آواز جب مریض کے پردہ گوش سے ٹکراتی ہے تو اس کے ہونٹ ہلتے ہیں اور وہ کہتا ہے "مت رو۔ میری اس حالت پر آنسو نہ بہاؤ بلکہ خوش ہو، ہنسو کیونکہ۔ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا تب آپ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک شخص چٹیل، وادی میں مرے گا جس کے جنازہ میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا، اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جتنے حضرات اس مجلس میں تھے وہ سب کے سب وفات پا چکے ہیں تنہا میں رہ گیا ہوں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ میرے کفن دفن کے انتظام کے لئے کوئی جماعت ضرور آرہی ہوگی جو میرے کفن دفن کا انتظام کرے گی اس لئے تم سڑک پر جا کر بیٹھو اگر کوئی قافلہ آئے تو اس کو میرے پاس لے آنا۔

اس عورت کو ان کی اس بات پر یقین تو نہیں آیا لیکن حکم کی فرماں برداری کرتے ہوئے سڑک کے ایک کنارے کھڑی ہوگئیں اور بار بار نگاہیں اٹھا کر صحرا کی طرف دیکھتیں۔ لیکن ہر بار ان کی نگاہیں ناکام واپس آتیں، ابھی وہ یاس وامید کی حالت میں کھڑی ہی تھیں کہ ایک طرف سے گرد اٹھتی دکھائی دی اور ان کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا، کیونکہ اب کچھ شتر سوار اس طرف آتے ہوئے دکھائی پڑ رہے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں قافلہ والوں نے بھی ایک عورت کو صحرا میں کھڑے ہوئے دیکھ کر اپنے اونٹ روک دیئے۔

"آپ یہاں اکیلے کیسے کھڑی ہیں؟" ایک شتر سوار نے دریافت کیا۔

"یہاں پر ایک جھونپڑے میں ایک شخص موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ خدا کے لئے تم لوگ اس کے کفن دفن کا انتظام کرو۔ اللہ کے یہاں اس کا اجر پاؤ گے" ایک نسوانی درد بھری آواز نے لوگوں کو متوجہ کیا۔

"کون ہے یہ شخص؟" کئی ملی جلی آوازیں سنائی پڑیں

"ابوذرؓ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ نسوانی آواز نے لوگوں کے دل ہلا دیئے۔

ابوذرؓ، صحابی رسولؐ۔ فداہ اباءنا وامہاتنا قافلہ والوں کی زبانوں سے یہ الفاظ نکلے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورا مجمع ابوذرؓ کی قیام گاہ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

ابوذرؓ کو جب اپنے ارد گرد کچھ لوگوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو انھوں نے فرمایا: مسلمانوں ایک خوشخبری سنو! حضورؐ نے میرے بارے میں ہی یہ فرمایا تھا کہ میرے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی" اور خوش قسمتی سے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس وقت یہاں بھیج دیا ہے، تو گویا حضورؐ نے تمھارے مسلمان ہونے کی بشارت دے دی ہے، یہ تمھارے لئے بہت ہی خوشی کی بات ہے، اس کے بعد ابوذرؓ نے حاضرین کو متعدد نصیحتیں کی۔ اور پھر فرمایا۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے غسل دے کر تین کپڑوں میں کفن دینا اور بیچ راستے پر لے جا کر لٹا دینا، اور سب سے پہلے جو قافلہ نظر آئے اس سے کہنا یہ ابوذرؓ ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھاؤ۔ اس کے بعد فرمایا، اب مجھے قبلہ رخ لٹا دو، حاضرین نے اس حکم کی تعمیل کی اور پھر صدق وصفا میں ڈوبے ہوئے یہ الفاظ فضا میں ...... اس طرح گونجے۔ بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انھیں پاک الفاظ کے ساتھ صحابی رسول اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔

اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ روتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذرؓ تنہا رہیں گے۔ تنہا مریں گے اور تنہا حشر کے دن اٹھائے جائیں گے۔

(سیرت ابوذر غفاریؓ)

(۲)

صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہؓ کے انتقال کے وقت ...... جو لوگ ان کے نزدیک تھے ان کا بیان ہے کہ جب حذیفہؓ پر مرض کا شدت سے حملہ ہوا تو فرمایا کہ اگر مجھے اس کا یقین ہو جائے کہ یہ دن میرے لئے دنیا کا آخری دن ہے اور آخرت کا پہلا۔ تو میں اللہ سے یہ دعا کرتا کہ اے مالک دو جہاں تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے فقر کو ہمیشہ عزیز رکھا ہے، مال وثروت سے نفرت کی ہے اپنی عزت وبڑائی کی تمنا کبھی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اپنے کو حقیر ومفلس سمجھا۔ موت کو زندگی سے ہمیشہ بہتر سمجھا۔ اس لئے اب مجھے اپنے پروردگار سے صرف ایک مطالبہ ہے اور وہ ہے جنت اتنا کہنا تھا کہ حاضرین نے دیکھا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۲۵۱)

(۳)

ایک نوجوان شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ داخل ہوتا ہے کہ اے امیر المومنین آپ نے بہت سی نیکیاں کی ہیں پھر آپ کو تو حضورؐ کا بہت زمانہ ملا ہے۔ آپ کے ذریعہ سے اسلام کو سربلندی حاصل ہوئی۔ پھر جب خلیفہ بنائے گئے تب بھی آپ نے عدل وانصاف کی ایک مثال قائم کردی، اور پھر مزید یہ کہ اب آپ کو شہادت بھی حاصل ہو رہی ہے۔ اب تو آپ کے لئے جنت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ پر سکرات کی کیفیت طاری تھی لیکن اس کے باوجود فرمایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ یہ تمام اعمال میرے لئے نجات کا ذریعہ بنیں، میں حشر کے دن پروردگار کی ناراضگی وخفگی کا شکار نہ ہوں اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادہ کو بلایا اور فرمایا، "ذرا دیکھنا مجھ پر کتنا قرض ہے" انھوں نے حساب لگا کر بتایا ۸۰ ہزار درہم" آپ نے فرمایا کہ پہلے اس قرض کو عمر کے خاندان سے پورا کرنا، اگر کچھ باقی رہ جائے تو پھر عدی بن کعب کے خاندان سے اگر پھر بھی پورا نہ ہو تو قریش کے مال سے پورا کرنا۔ اس کے علاوہ اور کسی کے آگے دست احتیاج دراز نہ کرنا اس قسم کی دیگر نصائح کرتے ہوئے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۱۵)

(۴)

صحابی رسولؐ خالد بن ولید جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے افسوس میں نے بے شمار جنگوں میں شرکت کی بہت سے کفار کو جہنم واصل کیا، میرے بدن کا کوئی حصہ زخم سے خالی نہیں لیکن افسوس صد افسوس آج میں بستر پر دم توڑ رہا ہوں جب کہ میں شہادت کے لئے دیوانہ وار مارا مارا پھرا کرتا تھا۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۲۰۰)

طلبہ کا صفحہ

دور حاضر میں

اسلام کا نظام تعلیم کیا ہو؟

محمد حمید اللہ درجہ ششم دار العلوم ندوۃ العلماء

اس دور میں اسلام کا نظام تعلیم کیا ہو اس پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے گذشتہ نظامہائے تعلیم کا بھی سرسری طور پر جائزہ لیا جائے۔ شروع زمانہ میں مسلمانوں کے اندر جو نظام تعلیم رائج رہا ہے اسکا مقصد ایسے علماء تیار کرنا تھا جو اس زمانہ کے فتنوں کا سدباب کر سکیں، چنانچہ تعلیم و تدریس میں بھی انھیں کتابوں کو اہمیت دی جاتی تھی جن کی اس زمانے میں ضرورت تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اس پوری تاریخ میں کوئی ایسا فتنہ یا اسلام کے خلاف کوئی ایسی بغاوت سامنے نہیں آئی جسکا جواب نہ دیدیا گیا ہو اور اس کی جڑ اور بنیاد پر جارحانہ حملے کرکے اس کی بنیادوں کو کھوکھلا اور اس کی بے حقیقتی اور اس کے بطلان کو ظاہر نہ کر دیا گیا ہو، اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ تیسری صدی ہجری میں جب اعتزال کا فتنہ برپا ہوا، معتزلہ اپنے کو عقلیت کا واحد علمبردار سمجھنے لگے، اسلامی عقائد اور اس کی تعلیمات کی غلط تاویلیں کی جانے لگیں، تو ایسے خطرناک موقع پر امام ابوالحسن اشعری آگے بڑھے اور انھوں نے اعتزال کے شیش محل پر سنگ باری کرکے اسے چور چور کر دیا اور بعد میں ان کے تلامذہ اور دیگر متبعین نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا، پانچویں صدی ہجری میں جب یونانی علوم کو عربی میں منتقل کیا گیا اور باطنیہ اور فلاسفہ نے سر اٹھایا۔ فلسفہ کو حق و باطل کا معیار قرار دیا جانے لگا حتی کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے عقائد فلسفہ کی ترازو میں تولے جانے لگے اور وہ علم کلام جو معتزلہ کے خلاف تیار کیا گیا تھا۔ ناکافی ثابت ہوا تو امام غزالی میدان میں آئے انھوں نے نئے فتنوں کا مقابلہ کیا اور اپنے تلامذہ کو نئے طرق درس اور نظام تعلیم کے ذریعہ نئے فتنوں کا مقابلہ کیا اور اپنے اور اشاعرہ کے علم کلام کے قیود و بند سے آزاد ہو کر فلسفہ کے خلاف نئی اصطلاحیں ایجاد کیں اور ایک نیا علم کلام پیش کیا۔ پھر اس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں حافظ ابن تیمیہ نے وقت کے تقاضے کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں یہ جدت پیدا کی اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور اس کی شہ رگ پر تیشہ چلایا۔ نظام تعلیم میں تغیر کے یہ ادوار اس لئے قابل ذکر ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ایک طرف نئے نئے فتنے ابھرتے رہے تو دوسری طرف اس کے مقابلہ کے لئے ہمارے اسلاف بھی نئے نئے ہتھیار سے مسلح ہو کر کامیابی کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ زیر درسی کتابوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں اور نظام تعلیم بدلتے رہے۔ ان سب چیزوں نے یہ ثابت کر دیا کہ جمود اور تعطل اس امت کی شان اور مزاج کے خلاف ہے۔ یہ ایک زندہ قوم ہے۔ باطل کے مقابلے میں ہمت ہارنا اس کا شعار نہیں ہے اور اقوام عالم میں یہ امتیاز صرف اسی امت کو حاصل ہے پھر یکایک حالات بدلے۔ بغداد میں تاتاریوں کا حملہ ہوا۔ مسلمانوں کی علمی و فنی ترقیاں رک گئیں۔ بکثرت علماء کو شہید کر دیا گیا اور ان کی رہی سہی تعداد منتشر ہو گئی۔ اس لئے ان کا نظام تعلیم بھی درہم برہم ہو گیا۔ دوسری طرف ان فتنوں کی راہیں بھی قدرتی طور پر بند ہو گئیں جو فکری اور نظریاتی شکل میں نمودار ہوتے رہتے تھے۔ اب تک علم و فن میں جو تخلیقات ہوئی تھیں وہ اب تک کے نظام تعلیم کا جزء رہ چکی تھیں، دوسری طرف بے عملی کے سوا فکری اور نظریاتی شکل میں کوئی نیا فتنہ پیدا نہ ہوا، اس لئے نظام تعلیم میں بھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اگرچہ اسی اثنا میں بعض شخصیتیں نمودار ہوئیں لیکن ان کا دائرہ عمل گذشتہ علمی و فنی تخلیقات کو ترقی دینے اور اسی کو ایک نئے انداز سے پیش کرنے تک محدود رہا۔ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی شخصیت نمایاں طور پر ہمارے سامنے ہے کہ انھوں نے اسلاف ہی کی بنیادوں پر ایک نئے علم کلام کی تعمیر کی، اور فلسفہ نے پھر پیر پھیلانے شروع کر دئے تھے تو آپ نے اس کا سدباب کیا۔ لیکن اس سے اسلام کے نظام میں کوئی بنیادی تغیر واقع نہیں ہوا مسلمانوں کے اس تعلیمی بدنظمی کے زمانے میں جو مدارس تھے انھوں نے اسلاف کے سرمایہ کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی تھی، اور محض درس و تدریس کے لئے ایک نظم قائم کر رکھا تھا، ہندوستان میں گیارھویں صدی کے آخر میں ملا قطب الدین اور پھر ان کے بعد ان کے بیٹے ملا نظام الدین نے انھیں پچھلی کتابوں کو ایک خاص انداز سے مرتب کرکے ایک نئے نصاب تعلیم کی شکل میں پیش کیا۔ جس کا مقصد علوم اسلامیہ کی حفاظت اور تعلیم و تدریس کر سکنے اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام کو سنبھالنے والے علماء تیار کرنا تھا نئے مسائل یا فتنے اس نوعیت کے تھے ہی نہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر نصاب تعلیم تیار کیا جاتا۔ پھر بعد میں آنے والوں نے اپنے دور کی علمی و فنی حیثیت سے جو قابل قدر کتابیں تھیں انھیں اپنی اہمیت اور فنی قیمت کی وجہ سے نصاب میں برقرار رکھا لیکن زمانے نے یکایک کروٹ لی اور حالات بالکل بدل گئے انگریزی حکومت کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ مسلمان حکومت سے بے دخل کر دیئے گئے ان کا ملی اور اجتماعی شیرازہ بکھر گیا۔ وہ وطن میں بے وطن ہو گئے یہ تو ہندوستان کا حال تھا دوسرے ممالک میں بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ انفرادی حیثیت سے مسلمان خود اپنے قبضہ میں تھے لیکن اجتماعی حیثیت سے ان پر ایک دوسری قوم اس کی تہذیب اس کے اجتماعی قوانین کی حکومت تھی۔ یہی حالات تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں دین و دنیا کی تفریق ہو گئی۔

(باقی آئندہ)

انکار سنت

نے ایک اہم فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے، جو لوگ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرازہ بندی تسلیم کرتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ایسی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں جو اس فتنہ کے استیصال کا ذریعہ ہوں۔

اسی مقصد کے پیش نظر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل السلفی امیر جماعت اہلحدیث کا ایک مفصل اور وقیع مقالہ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ وسیع اشاعت کے پیش نظر اس کی قیمت لاگت کے مطابق رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ صاحب خیر حضرات توجہ فرمائیں گے

فی نسخہ ——— ۲۵ پیسے

یکصد نسخہ ——— ۲۰ روپے

پتہ

خالد اشرف ۴۸۳ جناح کالونی لائلپور

عالم اسلام

٦٥ لاکھ روپیہ کا مجسمہ ☆ مصری راکٹ کی حقیقت

☆ شام کی دہشت انگیز فضا میں کلمۂ حق

مصر میں عربی قومیت اور مجسموں کی جو لہر آئی ہوئی ہے اس سے اخبار بین طبقہ ضرور واقف ہوگا۔ ان میں سب سے اہم مجسمہ رمسیس (یہ اسی فرعون کا نام ہے جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا) کا ہے۔ اس "قابل فخر" مجسمہ پر صرف ٦٥ لاکھ روپیہ خرچ آیا ہے۔

امریکی محکمہ اطلاعات کی طرف سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں یہ معلومات موجود ہیں۔

مصری صدر نے اپنی ایک مشہور تقریر میں کہا تھا کہ آج دو ہزار سال کے بعد مصریوں کو حکومت کرنے کا موقع حاصل ہو رہا ہے) اور اس طرح انھوں نے گویا صلاح الدین ایوبی، الملک الظاہر بیبرس کو بھی غیر ملکی اور سامراجی قرار دیا تھا۔ اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے ایک مرتبہ یہ بھی کہا تھا، اے تحتموث اور رمسیس کے فرزندو! اور اس قول کو انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ اس کے مجسمہ کی تیاری اور نقل و حمل وغیرہ اور قاہرہ کے سب سے بڑے میدان میں اس کو نصب کرنے پر ۵ لاکھ پونڈ (یعنی ٦٥ لاکھ روپے سے زائد) خرچ کیا گیا۔

اس سازش کی تکمیل اس وقت ہوئی جب مصری صدر نے ۱۹۵۵ء میں مشیل عفلق سے ملاقات کی، مشیل عفلق کے تعارف کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ ان کی زندگی کا آغاز ایک کمیونسٹ کی حیثیت سے ہوا۔ جب کمیونسٹوں سے ان کے مقاصد پورے نہ ہو سکے تو وہ سوشلسٹ گروپ میں شامل ہو گئے اور عربی قومیت کے علمبردار ہو گئے۔ بعض غیر ملکی اخبارات کے مطابق عرب اتحاد کا نعرہ درحقیقت اپنے اصل مقصد سے زیادہ غیروں کے مقاصد کی تکمیل ہے۔ اس طرح پر کہ قومی وفاداری پر کوئی حرف نہ آئے اور کام بھی بن جائے۔

ایک اور افسوسناک پہلو "مصری راکٹ" کا قصہ ہے جسکو نیویارک ہیرالڈ ٹریبون نے مصری راکٹ کی حقیقت کے عنوان سے ۲۷-۳-٦۳ کی اشاعت میں درج کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ راکٹ بنانے کی صلاحیت اس وقت صرف روس و امریکہ رکھتے ہیں۔ راکٹ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تجرباتی قسم کے یہ ہندوستان، جاپان اور مصر میں بھی تیار ہوتے ہیں دوسرے (GUIDED) ہوتے ہیں جو وقت ضرورت کام دے سکتے ہیں، اس طرح کے تین مرحلے والے دور مار راکٹ پر چالیس لاکھ ڈالر خرچ آتا ہے اور اس کا نشانہ عموماً ۲۰ فیصدی سے زیادہ صحیح نہیں بیٹھتا۔

اگر مصر اسرائیل کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کم از کم دو ہزار راکٹوں کی ضرورت ہوگی اور اس سے اس کے کمزور بجٹ میں ۳ لاکھ ملین ڈالر کا مزید بار پڑیگا اس کے علاوہ جب تک یہ راکٹ ایٹمی بموں سے مسلح نہ ہوں گے وہ جنگ میں بیکار ہیں اور یہ مصر کی صنعتی و علمی دسترس سے باہر ہے۔ عام اور معمولی بموں کے لئے جیٹ طیارے زیادہ مفید ہو سکتے ہیں، مصر کے پاس جو چند راکٹ ہیں اور جن پر اسرائیل نے اتنا شور مچایا ہے وہ اسی ادنیٰ تجرباتی قسم کے ہیں اور اس سے زیادہ سے زیادہ اتنی تباہی لائی جا سکتی ہے جو نصف ٹن کے بم کے ذخیرہ سے ممکن ہے ان راکٹوں کی تعداد چند سے متجاوز نہیں، ان کا مقصد عوام کے جذبات کی تسکین، اور مصری صدر کی مقبولیت کو برقرار رکھنا ہے اور بس۔ اس کے علاوہ ان کی علمی اور ایجابی افادیت نہیں۔

شام میں کلمۂ حق!

شام کے شہر حلب اور بعض دوسرے شہروں میں ان الحافظ اسلامی ذہن رکھنے والے نوجوانوں اور اخوان المسلمین کے لوگوں اور بے گناہ شہریوں پر جو مظالم کئے اس کی کچھ تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔ اس وقت شام میں دہشت کی حکومت ہے ذیل کی تقریر جو اخوان المسلمین کے سکریٹری عصام العطار نے یونیورسٹی کی مسجد میں کی۔ اس دہشت و استبداد کے ساتھ ان کی جرات و حق گوئی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور اہل حق کا ہمیشہ یہی دستور رہا ہے۔

انھوں نے اپنی تقریر میں بعثیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں کو سامراجی طاقتوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ابھارا ہے اور ہر ممکن طریقہ پر ان کی مدد کی ہے۔ یہاں تک کہ آج ان کو... اقتدار حاصل ہو گیا اور انھوں نے عوام میں خوف و دہشت کی فضا قائم کر دی، میں یہاں پوری سادگی، پوری صراحت اور پوری قوت کے ساتھ خدا کے سامنے، عوام کے سامنے اور تاریخ کے سامنے اعلان کرتا ہوں میں اس نازک مرحلہ میں برملا سب کے سامنے اپنی خاص ذمہ داری پر اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص بھی اسلام کی مخالفت کرتا ہے خواہ اس کا جو بھی نام ہو اور اس کی جو حیثیت ہو اور وہ جس نام سے بھی کام کر رہا ہو اور جس پردہ کے پیچھے چھپا ہو وہ غدار اور خائن، سامراجی طاقتوں کا بے ضمیر غلام اور حسد و کینہ کا شکار ہے اور جو لوگ کسی ڈر اور خوف یا کسی مصلحت اور لالچ یا کسی ذمہ داری سے بچنے اور عافیت طلبی کے لئے ان کے ساتھ چلتے ہیں وہ بھی ان ہی میں سے ہیں اور ان کا کوئی عذر صحیح نہیں۔

جہاں تک ان کے اصل کارندوں اور سامراج کے غلاموں کا تعلق ہے۔ جہاں تک ان ملحدوں اور بے دینوں اور فساق و فجار کا تعلق ہے جو آج حکومت کی کرسی پر قابض ہیں جو ہم کو دھمکیاں دے رہے ہیں، ہماری نگرانی کر رہے ہیں اور سازشوں کا جال تیار کر رہے ہیں میں ان کو چیلنج کرتا ہوں۔ ان کی ان دھمکیوں اور دہشت انگیزیوں کی جگہ ہمارے جوتوں کے نیچے ہے۔ ہم ان سے خوفزدہ نہیں خواہ ساری دنیا کی طاقت کو وہ اپنے ساتھ لے آئیں۔ اسلئے کہ ہم نے اسلام کو ہمیشہ وعدہ وعید سے بالاتر رکھا ہے اور آغاز سفر ہی سے دنیا کو ہم نے اپنے پیروں کے نیچے رکھا ہے انھوں نے اپنی تقریر میں کہا۔

یہ لوگ ڈاکو ہیں امن کے محافظ اور حکومت کے چلانے والے نہیں اللہ کے سامنے ان کا حساب بہت سخت ہوگا اور اس سے پہلے عوام سے حساب چکانا ہوگا میں ان کو ایک بار پھر اس سرکشی اور ظلم و زبردستی کے عواقب سے ہوشیار کرتا ہوں۔

ہم ان کو اچھی طرح سے جانتے ہیں، انکو بھی جانتے ہیں جنکے لئے وہ کام کر رہے ہیں، ان خوشنما پردوں اور پرفریب نعروں سے حقیقت چھپا نہیں کرتی ہم انکی قوت اور اسباب و وسائل کو حقارت و ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انکا یقینی اور المناک انجام بھی ہمارے نظروں کے سامنے ہے، اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہوگا کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔